شهید مرتضی مطهری

ختمِ نبوّت

297.41
م615خ
141092

کتاب ـــــــ ختم نبوت

تالیف ـــــــ شہید مرتضیٰ مطہری

مترجم ـــــــ محمد خالد فاروقی

ناشر ـــــــ سازمان تبلیغات اسلامی

خطاطی ـــــــ عبدالعزیز / قلبی حسین رضوی

بار اوّل ـــــــ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۴ھ

بار دوم ـــــــ جمادی الاوّل سنہ ۱۴۰۶ھ

تاریخ ـــــــ جمادی الاوّل سنہ ۱۴۰۶ھ

تعداد ـــــــ ۵،۰۰۰

پریس ـــــــ چاپخانہ سپہر تہران

Marfat.com

دینِ اسلام کا ظہور، اس کے ابدی ہونے اور سلسلۂ نبوّت کے ختم ہونے کا اعلان دونوں کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے۔

مسلمانوں نے ختمِ نبوّت کو ہمیشہ ایک امرِ واقعہ کے طور پر تسلیم کیا ہے، ان کے سامنے یہ سوال کبھی نہیں آیا کہ حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر بھی آئے گا یا نہیں ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے سلسلۂ نبوّت کے ختم ہونے کا بڑی صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود بھی کئی بار اس کا اعادہ کیا ہے مسلمانوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی دوسرے پیغمبر کے ظہور کے خیال کو خدا کی وحدانیت یا قیامت کے انکار کے مشابہ اور ایمان کے منافی سمجھا گیا ہے۔

مفکّرینِ اسلام نے ختمِ نبوّت کے مسئلے پر اگر کوئی تحقیقی و علمی کاوش کی ہے تو اس کا مقصد گمراہ کُن خیالات کی بیخ کنی کرنا اور عقیدۂ ختمِ نبوّت کو زیادہ سے زیادہ واضح اور روشن کرنا رہا ہے۔

یہاں ہم وحی و نبوّت کی ماہیّت پر گفتگو کرنا نہیں چاہتے۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ وحی ایک ایسی رہنمائی کا نام ہے جو غیب و ملکوت سے ساتھ ضمیر کے ربط و اتصال

Marfat.com

سے حاصل ہوتی ہے۔ نبی، تمام انسانوں اور عالمِ غیب سے ربط و تعلّق کا ایک وسیلہ ہے، درحقیقت وہ عالم انسانیّت اور جہانِ غیب کے درمیان ایک پل کی حیثیّت رکھتا ہے۔

نبوّت، شخصی اور انفرادی پہلو سے ایک فردِ انسانی کی روحانی شخصیّت کی وسعت کا نام ہے اور عمومی و اجتماعی پہلو سے نبوّت کا مطلب عالمِ انسانیت کے لئے ایک ایسا پیامِ الٰہی ہے جو اُس کی رہنمائی کی خاطر ایک منتخب شخصیت کے ذریعہ بھیجا گیا ہے۔ یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے عقیدۂ ختمِ نبوّت سے متعلّق مختلف سوالات سامنے آتے ہیں۔ کیا خاتم النبیینؐ کے بعد کسی دوسرے نبی کے ظاہر نہ ہونے اور سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے سے روحانی و معنوی پہلوؤں سے انسانیّت کو کسی تنزل کا سامنا کرنا پڑا ہے؟ کیا مادرِ زمانہ ایسے ملکوتی صفات فرزندوں کو جنم دینے سے عاجز ہو چکی ہے جو عالمِ غیب و ملکوت سے رشتہ رکھتے ہوں؟ کیا ختمِ نبوّت کا اعلان کرنے کا مطلب فطرت کا بانجھ ہو جانا اور ایسے عالی مرتبت فرزندوں کو وجود میں لانے کی صلاحیت سے اُس کا محروم ہو جانا ہے؟

اُس کے علاوہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان خدا کی رہنمائی اور اُس کے پیغام کا محتاج ہے۔ اُس کی یہ ضرورت ہی سلسلۂ نبوّت کے آغاز کا سبب بنی۔ ماضی میں مختلف زمانوں اور ادوار کے تقاضوں کے مطابق پیغامِ الٰہی کی تجدید ہوتی رہی ہے۔ پیغمبروں کا پے در پے آنا، شریعتوں کی مسلسل تجدید اور کتبِ آسمانی کا یکے بعد دیگرے نزول اس لئے ہوا کہ ہر دور میں انسان کی ضروریات میں تغیر آتا رہا ہے اور انسان کو ہر زمانے میں ایک نئے پیغام اور ایک نئے پیغمبر کی ضرورت رہی ہے۔ جب یہ صورت ہے تو کس طرح یہ بات فرض کی جا سکتی ہے کہ ختمِ نبوّت کے اعلان کے ساتھ ہی یہ رابطہ یک دم

Marfat.com

منقطع ہو گیا ہے اور وہ پل کہ جس نے عالم انسانیت کو عالم غیب کے ساتھ جوڑ رکھا تھا وہ یک بیک ڈھ گیا ہے۔ اس کے بعد اب کوئی الٰہی پیغام انسانیت کی طرف نہیں بھیجا جائے گا تو کیا انسانیت کو فرائض اور ذمہ داریوں کے بغیر یونہی آزاد چھوڑ دیا جائیگا۔

ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ جیسے صاحب شریعت پیغمبروں کے درمیانی زمانوں میں کچھ دوسرے پیغمبروں کا سلسلہ بھی موجود رہا ہے، اس سلسلے سے تعلق رکھنے والے پیغمبر اپنے سے پہلے کی شریعت کو نافذ کرنے اور پھیلانے کا کام انجام دیتے رہے ہیں۔ نوح علیہ السلام کے بعد ہزاروں انبیاء آئے۔ ان انبیاء نے نوح علیہ السلام کی شریعت کو نافذ کیا اور پھیلایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بھی ایسا ہی ہوا۔ بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ شریعتِ اسلام کی آمد کے ساتھ ہی شریعت لانے والی نبوت اور شریعتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے بعد تبلیغی نبوتوں کا سلسلہ کیوں منقطع ہو گیا، جبکہ ماضی میں ہر شریعت کے نازل ہونے کے بعد بے شمار پیغمبر ظاہر ہوتے رہے اور سابق شریعت کی تبلیغ، ترویج اور نگہبانی کا فرض ادا کرتے رہے لیکن اسلام کی آمد کے بعد اس طرح کا ایک پیغمبر بھی ظاہر نہ ہوا؟

یہ ہیں وہ سوالات جو عقیدۂ ختمِ نبوت کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں۔

ختمِ نبوت کا عقیدہ اسلام نے پیش کیا ہے اور وہی اس کا جواب بھی دیتا ہے۔

اسلام نے ختمِ نبوت کے عقیدہ کو ایک ایسے جامع فلسفہ کی صورت میں پیش کیا ہے کہ ذہنوں میں کوئی شک وابہام باقی نہیں رہتا۔

اسلام کی رُو سے ختمِ نبوت کا عقیدہ نہ انسانیت کے تنزل کی علامت ہے اور نہ

Marfat.com

انسانی صلاحیّت کے نقصان کی اور نہ مادرِ زمانہ کے بانجھ ہو جانے کی، اور نہ یہ عقیدہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسانیّت اب پیغامِ الٰہی سے بے نیاز ہو چکی ہے اور انسان کو مختلف ناسازگار زمانوں کے تقاضوں کے مطابق کسی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے. اسلام اس بارے میں ایک دوسرا ہی فلسفہ اور توجیہ پیش کرتا ہے.

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننا چاہیئے کہ اسلام نے خود ختمِ نبوّت کے بارے میں کیا کہا ہے، اس کے بعد ان سوالات کا جواب تلاش کرنا چاہیئے. سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ میں ہم پڑھتے ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں ہے لیکن وہ اللہ کا رسول
اور انبیاء کے سلسلے کو ختم کرنے والا ہے.

اس آیت میں حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو خاتم النبیین کے نام سے یاد کیا گیا ہے.

خاتم کا لفظ عربی لغت کے اعتبار سے ایک ایسی چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی دوسری چیز کے سلسلے کو ختم کرنے کے لئے استعمال کی جاتی ہے. اس لئے اس مہر کو خاتم کہتے ہیں جو خط بند کرنے کے بعد لفافے پر لگائی جاتی ہے. رواج کے مطابق انگشتری کے نگینے پر نام یا دستخط کندہ ہوتے ہیں اور وہی خطوط پر ثبت کئے جاتے ہیں، اسی لئے انگشتری کو خاتم کہا جاتا ہے.

قرآن میں جہاں کہیں اور جس صورت میں بھی "ختم" کا مادہ استعمال کیا گیا

Marfat.com

ہے ختم کرنے یا بند کرنے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ یٰسین کی آیت ۶۵ میں آیا ہے :

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگاتے ہیں اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کرتے ہیں اور ان کے پیر جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر گواہی دیتے ہیں۔

زیرِ بحث آیت کا انداز خود یہ بتاتا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے پیغمبرِ اسلام پر سلسلۂ نبوت کا ختم ہونا مسلمانوں کے درمیان ایک مسلّمہ امر کی حیثیت رکھتا تھا۔ مسلمان جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خدا کا رسول سمجھتے تھے اسی طرح ان کے خاتم النبیین ہونے پر بھی یقین رکھتے تھے۔ آیت صرف یہ یاد دلاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کسی کے باپ کی حیثیت سے نہ پکارو بلکہ حقیقی خطاب رسول اللہ اور خاتم النبیین سے آپؐ کو مخاطب کرو۔

یہ آیت عقیدۂ ختمِ نبوّت کے اصل جوہر کی جانب اشارہ کرتی ہے۔

سورۂ حجر کی آیت ۹ میں اس طرح آیا ہے :

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

ہم نے خود اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں قرآن کو کسی طرح بھی تحریف و تغییر اور ضیاع سے محفوظ رکھنے کا وعدہ جس قطعیت کے ساتھ کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

Marfat.com

نئے نئے پیغمبروں کی آمد اور رسالت کی تجدید کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب انبیاء کی لائی ہوئی مقدس کتابوں اور تعلیمات میں لوگوں کی جانب سے کی جانے والی تحریفات اور تبدیلیاں بھی ہیں۔ ان ہی تحریفات کے سبب سابق انبیاء کی کتابوں اور تعلیمات میں لوگوں کی ہدایت کی صلاحیت پوری طرح باقی نہیں رہی تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ پے در پے پیغمبروں کو بھیجا گیا تاکہ وہ انبیاء کی فراموش کی ہوئی نعمتوں کو زندہ کریں اور ان کی تعلیمات میں جو تحریفات کی گئی ہیں ان کی اصلاح کریں۔

قطع نظر ان انبیاء کے جو صاحبِ کتاب و شریعت نہیں تھے بلکہ ایک صاحبِ کتاب و شریعت پیغمبر کے تابع تھے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک آنے والے پیغمبر اور موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ظاہر ہونے والے پیغمبر خود صاحبِ شریعت انبیاء نے بھی اپنے سے پہلے گزرنے والے پیغمبروں کے ضابطوں اور طریقوں کی تائید کی ہے۔ پیغمبروں کے پے در پے آنے کا واحد سبب حالاتِ زندگی میں تبدیلی اور کسی نئے پیغام کی انسانی ضرورت ہی نہیں بلکہ زیادہ تر اس کا سبب وہ تحریفات، تبدیلیاں تھیں جو آسمانی کتابوں اور انبیاء کی تعلیمات میں کی گئی تھیں۔

چند ہزار سال قبل انسان میں یہ صلاحیت موجود نہیں تھی کہ وہ اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کر سکے، ابھی انسان کے اندر اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے کافی وقت درکار تھا کہ وہ اپنے دینی ورثوں کو ہر طرح کے نقصان سے بچا کر محفوظ رکھ سکے اور اپنی تکمیل و ترقی کے ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے جہاں پیغامِ الٰہی کی تجدید اور نئے پیغمبروں کی آمد کی ضرورت باقی نہ رہے اور ایک دین کی ہمیشگی کے ساتھ باقی رہنے کی لازمی شرط (کافی شرط نہیں) پوری ہو جائے۔

Marfat.com

متذکرہ بالا آیت نزولِ قرآن کے بعد سے نبوّت و رسالت کی تجدید کے ایک اہم سبب کے ختم ہوجانے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور درحقیقت ختمِ نبوّت کی ایک بڑی بنیاد کی توثیق کرتی ہے۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں آسمانی کتابوں میں سے اگر کوئی کتاب کسی کمی وبیشی کے بغیر پوری طرح اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے تو یہ صرف قرآنِ مجید ہے۔ اس کے علاوہ رسولِ اکرمؐ کی بہت سی سنتیں قطعی صورت میں بلا تردید آفاتِ زمانہ سے آج تک محفوظ چلی آ رہی ہیں۔ ہم اس بات کی بعد میں وضاحت کریں گے کہ کتابِ آسمانی کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ذریعہ بنایا وہ اس دَور کے انسان کی رشد و قابلیّت ہے جسے انسان کے اجتماعی بلوغ کی نشانی کہا جاسکتا ہے۔

درحقیقت ختمِ نبوّت کے ستونوں میں سے ایک بڑا ستون انسان کا اس حد تک اجتماعی بلوغ حاصل کرلینا ہے کہ وہ اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کرسکے ان کی نشر و اشاعت، تعلیم و تبلیغ اور تفسیر و توضیح کرسکے۔ اس پہلو پر ہم بعد میں بحث کریں گے۔

پورا قرآن اس بات پر زور دیتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر قیامت تک دین ایک ہی ہے اور تمام پیغمبروں نے انسانیت کو ایک ہی دین کی طرف دعوت دی ہے۔ سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں آیا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے

Marfat.com

نوح کو دیا تھا اور جسے (اے محمدؐ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے اور جس کی ہدایت ہم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دے چکے ہیں۔

قرآن نے ہر جگہ اس دین کو اسلام ہی کے نام سے یاد کیا ہے جس کی طرف آدم سے لے کر خاتم تک تمام انبیاء نے لوگوں کو دعوت دی ہے۔ مراد یہ نہیں ہے کہ ہر زمانے میں اس دین کا نام لفظاً اسلام ہی آیا ہے، مدعا یہ ہے کہ دین جس حقیقت و ماہیت کا حامل ہے اس کا بہترین اظہار لفظِ اسلام ہی سے ہو سکتا ہے۔ سورۂ آلِ عمران کی آیت ۶۷ میں ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں آیا ہے:

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ

ترجمہ: ابراہیمؑ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۲ میں حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے لڑکوں کے بارے میں آیا ہے:

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

ترجمہ: اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ میرے بچو، اللہ نے تمہارے لئے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم

Marfat.com

تک مسلم ہی رہنا۔

اس بارے میں قرآن کی آیتیں بہت زیادہ ہیں ان سب کا یہاں حوالہ دینے کی ضرورت نہیں ہے البتہ پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعتوں اور قوانین میں باہم کچھ اختلاف رہا ہے۔ قرآن جہاں تمام انبیاء کے دین کو ایک ہی قرار دیتا ہے وہاں بعض مسائل میں شریعتوں اور قوانین میں اختلاف کو تسلیم کرتا ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط

ترجمہ: ہم نے تو تم (انسانوں) میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۴۸)۔

انبیاء علیہم السلام نے جن فکری اور علمی اصولوں کی طرف دعوت دی ہے وہ چونکہ بغیر کسی اختلاف کے ایک ہی ہیں اس لئے وہ شاہراہ اور ہدف بھی ایک ہے جس کی جانب انسانوں کو بلانے کے لئے انہیں مامور کیا گیا تھا شریعتوں اور قوانین کے جزئی اختلاف کا اس جوہر اور ماہیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جسے قرآن کی اصطلاح میں اسلام کہا گیا ہے۔ انبیاء کی تعلیمات میں باہمی فرق و اختلاف کسی ملک کے مختلف منصوبوں اور لوائح عمل کا سا ہے۔ ہر چند کہ انہیں الگ الگ روبعمل لایا جاتا ہے لیکن وہ سب ملک کے ایک ہی آئین سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ پیغمبروں کی تعلیمات اپنے باہمی جزئی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے تکمیل و اتمام کا سبب بنتی ہیں۔

پیغمبروں کی آسمانی تعلیمات کا فرق و اختلاف ان مکاتب خیال کے باہمی اختلافات کی طرح نہیں ہے جو فلسفہ، سیاست، اجتماعیات اور اقتصادیات سے تعلق رکھتے ہیں

Marfat.com

اور متضاد افکار کے حامل ہوتے ہیں. تمام انبیاء ایک ہی مکتب سے تعلق رکھتے ہیں اور سب کا THESTSS ایک ہی رہا ہے.

انبیاء کی تعلیمات میں باہمی اختلاف کسی درسگاہ کی اعلیٰ و ادنیٰ جماعتوں کی تعلیمات کی طرح کا ہے یا پھر ایک اصول کے مختلف حالات و شرائط میں نفاذ سے پیدا ہونے والے اختلاف کا سا.

ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اعلیٰ جماعتوں کے طالب علم کو نہ صرف نئے نئے مسائل سے واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ ان پرانے مسائل کے بارے میں بھی اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے جس کا علم اس نے ابتدائی جماعتوں میں حاصل کیا تھا. انبیاء کی تعلیمات کا بھی یہی حال ہے.

توحید وہ پہلا سنگِ بنیاد ہے جسے انبیاء نصب کرنے میں مصروف رہے ہیں لیکن یہی توحید درجات و مراتب رکھتی ہے. عام آدمی خدائے واحد کا جو تصور رکھتا ہے وہ ایک عارف کے قلب میں پیدا ہونے والی تجلی کی طرح نہیں ہے. خود عارفوں کے درجات بھی مختلف ہیں:

> "اگر ابوذر رحمۃ اللہ علیہ جو کچھ سلمان رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تھا اس سے واقف ہو جاتے تو ان کے بارے میں کفر کا گمان کرنے لگتے اور انہیں قتل کر دیتے"[1]

یہ بات واضح ہے کہ سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور سورۂ حشر کی آخری آیات

۱۔ لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ. سفینۃ البحار، مادۂ "ذر".

Marfat.com

اور سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی آیات چند ہزار سال بلکہ ایک ہزار سال پہلے کے انسان کے لئے قابلِ ہضم نہیں ہوسکتی تھیں، البتہ اہلِ توحید میں سے تھوڑے لوگ ان آیات کی گہرائی تک پہنچ سکتے تھے کتب اسلامی میں یہ بات آئی ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ علم رکھتا تھا کہ بعد کے زمانوں میں گہری فکر رکھنے والے لوگ پیدا ہوں گے تو اس نے قل ہو اللہ احد کی آیات اور سورۂ حدید کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل کیں۔"[۱]

کسی بھی بنیادی اصول کے نفاذ کی عملی صورتیں مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہیں انبیا کے عملی رویے میں جو فرق و اختلاف نظر آتا ہے اس کا تعلق قانون کے نفاذ سے ہے قانون کی روح سے نہیں، اس پہلو پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔

قرآن نے دین کے کلمے کو کبھی جمع کی صورت میں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں دین کا ذکر ہر جگہ واحد و مفرد شکل میں کیا گیا ہے، کیونکہ آدم سے لے کر خاتم تک صرف ایک دین موجود رہا ہے کئی ادیان نہیں۔ قرآن نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ دینِ فطرت کا تقاضا اور انسان کے روحانی وجود کی آواز ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ (سورۂ روم، آیت ۳۰)

ای محمدؐ اپنا رخ (اپنا فکر) دین کی سمت جما دو اس حالت میں کہ تم وحدانیت پرست ہو، جو خدا کی فطرت (آفرینش پیدائش) ہے جس پر لوگوں کو خلق کیا گیا ہے

۱۔ اصولِ کافی، ج ۱، ص ۹۱۔

Marfat.com

انسان کی فطرت، سرشت اور طبیعت گوناگوں ہے جبکہ دین ابتدائے آفرینش سے قیامت تک ایک ہی ہے اور وہ انسانی فطرت و سرشت سے تعلّق رکھتا ہے. اس طرح انسانی فطرت و سرشت بھی ایک سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے تھی. اس میں ایک بڑا راز اور عظیم فلسفہ پوشیدہ ہے اور اسی سے ہمیں ارتقاء کا ایک خاص تصوّر ملتا ہے. ارتقاء کے نظریئے سے سب واقف ہیں اس مسئلے پر ہر جگہ گفتگو ہوتی رہتی ہے. دنیا کا ارتقاء، جانداروں کا ارتقاء انسان اور معاشرہ کا ارتقاء

یہ ارتقا کیا چیز ہے اور یہ کس طرح صورت پذیر ہوتا ہے؟ کیا یہ اسباب کا ایک اتفاقی سلسلہ ہے جو ارتقاء کی منزل تک پہنچتا ہے؟ کیا اس کی سرشت میں کوئی ایسی چیز ہے، جو خود تکمیل تک پہنچتی ہے، اور وہ اپنے اندر ارتقاء کی خواہش رکھتی ہے اس لئے اس نے پہلے سے اپنے لئے ارتقاء کی ایک راہ منتخب کر رکھی ہے؟ کیا ارتقاء کا عمل ہمیشہ ایک مقرر و متعین راہ پر اور پہلے سے طے شدہ مقصد و ہدف کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے یا یہ عمل چند ایک بار اتفاقی اسباب کے تحت ایک خاص راستے پر صورت پذیر ہوتا ہے اور مسلسل اپنی سمت بدلتا رہتا ہے، اور اپنا کوئی خاص مقصد و ہدف نہیں رکھتا؟

قرآن کی رو سے دُنیا، انسان اور معاشرہ کا ارتقاء ایک ہدایت یافتہ بامقصد عمل ہے اور یہ اس ایک ہی راہ پر صورت پذیر ہوتا ہے جسے صراطِ مستقیم کہا گیا ہے اس عمل کا نقطۂ آغاز اور راہِ سفر اور منزلِ مقصود سب متعین و مشخص ہیں.

انسان اور معاشرہ تغیر پذیر و ترقی پذیر ہیں لیکن ان کی سمت اور راہِ سفر صرف ایک ہی ہے اور وہ مستقیم ہے.

Marfat.com

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیْلِہٖ ط ۰ (سورۂ انعام ۱۵۳)

ترجمہ: نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کر دیں گے۔

یکی خط است از اوّل تا بہ آخر
بر او خلقِ خدا جملہ مسافر

انسانی ارتقاء کا معاملہ اس طرح کا نہیں ہے کہ وہ ہر دور میں اسباب کے ایک خاص سلسلے کے تحت (صنعتی یا اجتماعی یا اقتصادی) ایک راہ پر اپنا سفر شروع کرے اور مسلسل اپنا راستہ اور سمت دونوں بدلتا رہے۔

قرآن بڑی شدّت کے ساتھ دین کے ایک ہونے پر زور دیتا ہے، وہ صرف ایک شاہراہ کا قائل ہے شریعتوں اور قوانین کے اختلافات کو وہ ایسی شاخیں قرار دیتا ہے جو ایک نظریئے و عقیدہ کی جڑ سے نکلی ہوں۔

انسان ارتقاء کی راہ پر ٹھیک اس قافلہ کی مانند ہے جو ایک متعین منزل کی طرف رواں دواں ہے لیکن اس منزل تک پہنچنے کے راستے سے وہ آگاہ نہیں ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد وہ کسی واقف راہ سے منزل کا پتہ پوچھتا ہے۔ اس کی بتائی ہوئی نشانیوں کے مطابق کم و بیش دس میل کا راستہ طے کر لیتا ہے لیکن اب اس قافلے کو پھر کسی رہنما کی ضرورت پیش آتی ہے اور وہ اس کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق مزید دس میل کا سفر مکمل کر لیتا ہے۔ اس طرح منزل کی طرف بڑھنے کی

Marfat.com

اس کی صلاحیّت میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے بالآخر اسے ایک ایسا شخص مل جاتا ہے جو اسے راہِ سفر کا ایک مکمل نقشہ دے دیتا ہے اور قافلہ اس نقشے کے حاصل ہونے کے بعد کسی نئے رہبر کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

قرآن نے یہ بات اچھی طرح واضح کر دی ہے کہ انسان کی راہ ایک متعین و مستقیم راہ ہے اور تمام پیغمبران تمام اختلافات کے باوجود جو وہ زمان و مکان اور موقع محل کے مطابق انسانی معاشروں کی رہبری میں باہم رکھتے ہیں، وہ ایک ہی منزل اور ایک ہی شاہراہ کی جانب ان کی رہنمائی کرتے ہیں، اسطرح قرآن نے ختمِ نبوّت کی راہ کو ہماری نگاہوں کے سامنے خوب روشن اور اس عقیدے کو پوری طرح واضح کر دیا ہے۔ عقیدۂ ختم نبوّت اسی صورت میں معقول اور قابل فہم ہو سکتا ہے کہ تغیر پذیر اور ترقی پذیر انسان کی ارتقاء کی راہ متعین اور مستقیم ہو لیکن اس کے برعکس انسان دوڑ دھوپ میں ہو اور ہر دوسرے لمحے اس کی راہِ سفر تبدیل ہوتی رہے اور اسکے سفر کا مقصد اور منزل متعین نہ ہو اور وقت کے ہر مرحلے میں وہ ایک دوسرا ہی راستہ اختیار کرے تو پھر ختمِ نبوّت یعنی دائمی اور کُلّی لائحۂ عمل اور نقشۂ کار معقول اور قابلِ فہم نہیں قرار پاتا۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں اس طرح آیا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

ترجمہ: اور اس طرح تو ہم نے تُم مسلمانوں کو ایک اُمّت وسط بنایا ہے تاکہ تم دُنیا کے لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر گواہ ہو

Marfat.com

قرآن کی رُو سے اُمّتِ مسلمہ ایک اُمّت وسط ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ اُمّت ایسی تعلیمات کی پروردہ ہے جو توسط و تعادل کی حامل ہے۔ قرآن کی یہ آیت ختمی اُمّت اور ختمی تعلیمات کا ذکر صرف ایک کلمہ کے ذریعہ کر دیتی ہے اور وہ وسطیت و تعادل ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا تمام انبیاء کی تعلیمات میں وسطیت اور تعادل موجود نہیں رہا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کچھ کہنا ضروری ہے۔

اس روئے زمین پر انسان ہی ایک جاندار مخلوق نہیں ہے اور صرف وہی اجتماعی انداز میں زندگی بسر کرنے کا عادی نہیں ہے، دوسری جاندار مخلوقات بھی ہیں جو مقررہ معمولات، ایک خاص نظم اور ڈھانچے کے مطابق زندگی بسر کرتی ہیں انسان کے برعکس ان کی زندگی جنگل کے زمانے، پتھر کے زمانے، لوہے کے زمانے، ایٹم کے زمانے سے آشنا نہیں ہے۔ روزِ اوّل سے جب سے کہ وہ وجود میں آئی ہیں ان کی زندگی کا ایک ہی منظم اور ڈھانچہ ہے یہ انسان ہی ہے جو اس آیتِ قرآنی کے مطابق:

وَخُلِقَ الْاِنْسَانَ ضَعِیْفًا۔ (سورۂ نساء، آیت ۲۸)

ترجمہ: انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اپنی زندگی کا آغاز صفر سے کرتا ہے اور ترقی کے لامتناہی راستے پر آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ انسان فطرت کا ایک ہونہار اور بالغ فرزند ہے اسی لئے اسے آزادی و خود مختاری حاصل ہے، اسے کسی مستقل ناظم و سرپرست اور ایسی جبری ہدایت کی ضرورت نہیں جس پر عمل کرنے کے لئے کوئی پوشیدہ اندرونی قوّت اسے مجبور کرے۔ دوسرے جاندار جو کچھ جبلت کے سامنے سر جھکا کر انجام دیتے ہیں وہ انسان آزاد انہ ماحول میں عقل و

Marfat.com

قوانین کے مطابق انجام دیتا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝

(سورۂ دہر، آیت ۳)

ترجمہ: ہم نے اسے راستہ دکھا دیا خواہ شکر کرنے والا ہے یا کفر کرنے والا.

انسان میں انحراف وسقوط اور جمود و انحطاط پایا جاتا ہے جبکہ دوسرے جاندار ایک حالت پر قائم رہتے ہیں. وہ اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ سوچ سمجھ کر کہ خود آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، سیدھی جانب کا رُخ کریں یا بائیں سمت کا، تیز چلیں یا آہستہ. اس کے برعکس انسان اپنی عقل وشعور سے کام لے کر آگے بھی قدم بڑھا سکتا ہے پیچھے بھی ہٹ سکتا ہے، وہ دائیں یا بائیں کسی بھی سمت مڑ سکتا ہے. وہ تیز بھی چل سکتا ہے اور آہستہ بھی وہ ایک بندۂ شاکر بھی بن سکتا ہے اور سرکش کافر بھی. اس طرح وہ افراط و تفریط کے درمیان کھڑا نظر آتا ہے.

انسانی معاشرہ کبھی اس طرح عادات کا اسیر اور جامد وساکن ہو جاتا ہے کہ کوئی مؤثر طاقت ہی اس کی زنجیروں کو کاٹ کر اسے حرکت میں لا سکتی ہے. کبھی انسانی معاشرہ پر حرص و آز اور نئی راہوں پر چلنے کی خواہش اس طرح مسلط ہو جاتی ہے کہ وہ فطرت کے اصول و قوانین تک کو بھلا بیٹھتا ہے اور کبھی وہ غرور و خود پرستی اور تکبر میں غرق ہو جاتا ہے، اسے خود بینی کی راہ سے ہٹا کر زہد و پرہیز گاری کی راہ پر ڈالنے کے لئے کسی اثر انداز ہونے والی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے حقوق کے ساتھ دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھ سکے، جب یہی انسانی معاشرہ آرام طلبی، مادر پدر آزادی اور ظلم و ستم کی راہ پر چل پڑتا ہے تو اس کے ضمیر کو جھنجھوڑنے اور اس

Marfat.com

میں حقوق کا شعور و احساس کے پیدا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

یہ بات واضح ہے کہ تیزی کے ساتھ پیش قدمی ہو یا سُست روی، بائیں جانب میلان ہو یا دائیں جانب ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک خاص لائحۂ عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر معاشرہ کا انحراف دائیں جانب ہو تو اصلاح کرنے والی طاقت کو اسے بائیں جانب موڑنے کی کوشش کرنی ہوگی، دوسری صورت میں اسے اسکے برعکس عمل کرنا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ کسی ایک زمانے اور کسی ایک قوم کی اصلاح کے لئے کوئی تدبیر دوا کی حیثیت رکھتی ہے تو وہی تدبیر دوسرے دَور اور دوسری قوم کے لئے ایک مرض مہلک میں مبتلا کرنے کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ بظاہر مختلف انبیاء کے درمیان ایک اختلاف نظر آتا ہے، کسی پیامبرؑ کو جنگ کی راہ اختیار کرنی پڑتی ہے تو کسی کو صلح کی، کوئی نبی نرمی سے کام لیتا ہے تو کوئی سختی سے، کسی پیغمبر کو انقلابی انداز میں کام کرنا پڑتا ہے تو کسی کو اعتدال و سلامتی کی راہ اپنانی پڑتی ہے، ایک پیغمبر کا سارا دور ابتلا و آزمایش سے بھرا ہوتا ہے تو دوسرے پیغمبر کے حصّے میں فتح و نصرت بھی آتی ہے۔ انبیاء کے درمیان اختلافات کا تعلّق ان کے اس رویے سے ہے جو وہ اپنے زمانے کے حالات کے پیشِ نظر اختیار کرتے ہیں ورنہ ہدف کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہدف تمام انبیاء کا ایک ہی ہے اور راستہ وہی صراطِ مستقیم ہے۔

قرآن کریم نے قصصِ انبیاء کے ضمن میں پوری طرح اس بات کی نشان دہی کی ہے کہ پیغمبروں میں سے ہر ایک مبداء و معاد سے متعلق اپنی مشترک تعلیمات کے تحت کسی ایک خاص نکتہ پر زور دیتا ہے وہ ایک مخصوص لائحہ عمل کے اجراء پر مامور ہوتا ہے۔

Marfat.com

یہ بات قصصِ قرآنی کے مطالعہ سے بخوبی روشن ہو جاتی ہے۔

مصلحین جب کسی تیزی سے آگے قدم بڑھانے والے یا پسماندہ معاشرہ میں، دائیں یا بائیں جانب مائل معاشرہ میں ظہور کرتے ہیں اور اصلاح کا کام شروع کرتے ہیں تو وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ ایک متعین لائحہ عمل صرف ایک محدود مدت کے لئے قابل اجراء ہوتا ہے اور معاشرہ کسی بھی نوعیت کا ہو اسے راہِ عدل پر لانے کے لئے اس سے زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی ہے جتنی کہ دوسری جانب سے اسے انحطاط و انحراف کی راہ پر ڈالنے کے لئے کی جاتی ہے۔

ان توضیحات کے بعد ہم زیرِ نظر آیت کے مفہوم کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکتے ہیں۔

پیغمبرِ اسلام کی رسالت تمام دوسرے انبیاء کی رسالتوں سے ان معنوں میں فرق و امتیاز رکھتی ہے کہ اس کی حیثیت قانون کی ہے کسی وقتی لائحہ عمل کی نہیں، انسانیت کے لئے آپ کا لایا ہوا اساسی قانون، کسی ترقی پسند یا رجعت پسند یا دائیں بازو یا بائیں بازو کی جانب مائل معاشرہ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر نظامِ حیات ہے جو ہر موقع و محل کے لئے کارآمد اور زندگی کے تمام جزئی طریقوں پر حاوی ہے۔ انبیاء کسی ایک معاشرہ کے لئے مبعوث کئے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معاشرہ کے لئے ایک مخصوص لائحہ عمل لے کر آتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد علماء اور اُمّتِ مُسلمہ کے دینی رہنماؤں کو بھی اسی طرح کام کرنا چاہیئے جس طرح انبیاء نے انجام دیا تھا۔ لیکن علماء و مصلحین اور انبیاء کے کام کے درمیان فرق یہ ہے کہ علماء وحیِ اسلام کے ابدی سرچشمے سے

Marfat.com

ہدایت حاصل کر کے ایک خاص لائحہ عمل وضع کرتے ہیں اور اس کے نفاذ کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن دوسری آسمانی کتابوں کی وقتی اور محدود تعلیمات کی روح اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن خود کو تمام آسمانی کتابوں کا محافظ و نگہبان قرار دیتا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (سورۂ مائدہ، آیت ۴۸)

ترجمہ: پھر اے نبی ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔

اسلامی نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ تمام انبیاء جو ایک کلی و خاتمی نبوّت اور ایک اساسی قانون کے پیشرو کی حیثیت رکھتے ہیں، اس بات کے پابند رہے ہیں کہ وہ اپنی اپنی اُمتوں کو ختمِ نبوّت کے آخری دَور میں دین کے اتمام و تکمیل کی خوشخبری دیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس بارے میں تمام پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا ہے۔

نہج البلاغہ کے پہلے خطبے میں اس کا ذکر بڑی عُمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے:

ولم يخل سبحانه خلقه من نبي مرسل او كتاب منزل او حجة لازمة او محجة قائمة، رسل لا تقصر بهم قلة عددهم ولا كثرة المكذبين لهم، من سابق سمي له من بعده او غابر عرفه من قبله، على ذلك نسلت

Marfat.com

القرون ومضت الدهور وسلفت الاباء خلفت الابناء، الی ان
بعث اللہ محمداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لانجاز
عدته وتمام نبوته ماخوذاً علی النبیین میثاقه مشهور
سماته کریما میلاده.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کبھی کسی پیغمبر یا کسی کتاب آسمانی یا کافی دلیل
یا کسی روشن طریقے سے خالی نہیں رکھا ہے۔ پیغمبروں کو ان کی قلتِ تعداد
اور ان کے مخالفین کی کثرتِ تعداد نے کبھی ادائے فرض سے نہیں روکا۔
ہر پیغمبر اپنے سے پہلے گزرنے والے پیغمبر سے پوری طرح متعارف رہا ہے اور
خود اس کی آمد کی بشارت سابق پیغمبر کی زبانی لوگوں کو ملتی رہی ہے
اسی طرح ایک نسل کے بعد دوسری نسل آتی رہی اور زمانہ گزرتا چلا
گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق محمد صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو سلسلۂ نبوت کی تکمیل کے لئے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام
انبیاء سے آپ کے بارہ میں پہلے ہی عہد و پیمان لے رکھا تھا۔ آپ کی نشانیاں
مشہور و معروف ہو چکی تھیں اور آپ کی ولادت ایک ولادتِ عظیم تھی۔
اس بارے میں رسولِ اکرمؐ کے دو بڑے عمدہ کلمے ہم یہاں نقل کرتے ہیں:
نحن الاخرون السابقون یوم القیامة
ہم تمام پیغمبروں اور امتوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں لیکن آخرت
میں ہم سب سے آگے ہوں گے اور سب ہمارے پیچھے آئیں گے۔
آپ کا ایک دوسرا ارشاد یہ ہے:

۱۶۱۵۹۲

Marfat.com

آدم ومن دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ

قیامت کے دن تمام پیغمبر میرے پرچم تلے ہوں گے۔

قیامت کے دن اس پیشروی اور پس روی اور رسولِ اکرمؐ کے پرچم تلے تمام انبیاء کے ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ تمام انبیاء رسولِ اکرمؐ کی بعثت کے لئے مقدمہ ہیں تو آپ نتیجہ، سابق انبیاء پر جو وحی نازل ہوئی وہ ایک وقتی لائحہ عمل کے دائرہ تک محدود تھی اور رسولِ اکرمؐ پر نازل ہونے والی وحی ایک کلی و ابدی قانونِ اساسی کے لئے تھی۔ مسلمان بزرگوں نے رسولِ اکرمؐ کے ان دو عمدہ کلمات اور معارفِ اسلامی کے اس اصول سے ہدایت حاصل کرتے ہوئے کہ جو کچھ اس دُنیا میں ظاہر ہوتا ہے اس دُنیا کے واقعات کا ملکوتی ظہور ہے، بڑی عمدہ اور دلپذیر باتیں کہی ہیں:

وانی وان کنت ابن آدم صورۃ
فلی فیہ معنی شاھد بابوتی

وکلھم عن سبق معنای دائر
بدائیرتی او وارد من شریعتی

وما منھم الا وقد کان داعیا
بہ قومہ للحق عن تبعیتی

وقبل وغالی دون تکلیف ظاھری
ختمت بشرعی الموضحی کل شرعۃ

مولوی نے بھی یہی مضمون باندھا ہے:

Marfat.com

ظاہراً آن شاخ اصل میوہ است
باطناً بہر ثمر شد شاخ
گر نبودی میل و امید ثمر
کی نشاندی باغبان بیخ شجر
پس بمعنی آن شجر از میوہ زاد
گر بصورت از شجر بودش نہار
مصطفیٰ زین گفت کادم و انبیاء
خلف من باشند در زیر لوا
بہر این فرمودہ است آن زد فنون
رمز نحن الآخرون السابقون
گر بصورت من ز آدم زادہ ام
من بمعنی جد جد افتادہ ام
پس ز من زائید در معنی پدر
پس ز میوہ زاد در معنی شجر
اوّل فکر، آخر آمد در عمل
خاصہ فکری کو بود وصف ازل

شبستری کہتا ہے:

یکی خط است از اوّل تا بہ آخر
بر او خلق خدا جملہ مسافر

Marfat.com

در این ره انبیاء چون ساربانند
دلیل و رہنمای کاروانند
وزیشان سید ماگشتہ سالار
ہم او اوّل ہم او آخر دراین کار
احد درمیم احمد گشت ظاہر
"دراین دور، اوّل آمد عین آخر"
ز احمد تا احد یک میم فرق است
جہانی اندرین یک میم غرق است
براو ختم آمد پایان این راہ
بدو منزل شدہ ادعوا الی اللہ
مقام دلکشایش جمع جمع است
جمال جانفرایش شمع جمع است
شدہ او پیش و دلہا جملہ در پی
گرفتہ دست جا دھا دامن وی

قرآنِ کریم نے، بعد میں آنے والے انبیا (اور بدرجۂ اولیٰ خاتم انبیاء) پر سابق انبیاء کی جانب سے ایمان لانے، ان کی نبوّت کو تسلیم کرنے بلکہ ان کی آمد کی خوشخبری دینے کا اور ان کی اس ذمہ داری کا کہ وہ اپنی امت کو بھی ایسا کرنے کی ہدایت کریں اور انہیں بعد میں آنے والے انبیاء کی تعلیمات کو قبول کرنے کے لئے تیار کریں اور اسی طرح بعد میں آنے والے پیغمبروں کی جانب سے پیشرو پیغمبروں کی تائید و تصدیق

Marfat.com

کا اور اللہ تعالےٰ کا اپنے پیغمبروں سے اس خوشخبری، اس تسلیم، تائید اور تصدیق پر پختہ عہد لینے کا اس طرح ذکر کیا ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۝

(سورۂ آلِ عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ : یاد کرو اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ "آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت و دانش سے نوازا ہے. کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اس تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی" یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا "کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو." انہوں نے کہا "ہاں ہم اقرار کرتے ہیں" اللہ نے فرمایا "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں.

نبوّتوں کا ایک رشتہ میں بندھا ہونا اور ایک نبوّت کا دوسری سے مربوط ہوتے چلے جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ نبوّت تکمیل کی جانب ایک تدریجی سفر ہے جس کا آخری حلقہ اس کی سب سے اونچی چوٹی ہے. عارفینِ اسلام کہتے ہیں :

الخاتم من ختم المراتب باسرھا

Marfat.com

یعنی پیغمبر خاتم وہ ہے جس نے تمام مراحل طے کر لئے ہیں اور وحی کی رُو سے کوئی ایسی راہ باقی نہیں رہ گئی ہے جسے اس نے طے نہ کیا ہو اور کوئی ایسا نکتہ باقی نہیں رہ گیا ہے جس کی اس نے وضاحت نہ کی ہو. اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ کسی علم سے متعلق تمام مسائل حل ہو چکے ہیں تو پھر اس شعبہ میں کسی نئی تحقیق یا کسی نئے انکشاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی. وحی سے متعلق مسائل کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے. خدا کے آخری دستور کے آجانے کے بعد کسی نئے انکشاف اور کسی نئے پیغمبر کی ضرورت باقی نہیں رہتی. محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ جو کچھ انسان پر منکشف ہوا ہے اسے ایک ایسے کامل ترین مکاشفہ کی حیثیت حاصل ہے جو کسی انسان کے دائرۂ امکان میں ہو سکتا ہے یہ بات واضح ہے کہ ایک ایسے مکمل مکاشفہ کے بعد دوسرا جو بھی مکاشفہ ہوگا وہ کوئی نیا اور جدید مکاشفہ نہیں ہوگا، وہ دراصل پہلے سے طے کردہ راہ کی ہی ایک چیز ہوگی اسکے ساتھ کوئی نئی بات نہیں ہوگی، آخری بات تو وہی ہے جو اس کامل ترین مکاشفہ میں آچکی ہے:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (سورۂ انعام، آیت ۱۱۵)

ترجمہ: تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں ہے اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے.

مرحوم فیض نے اپنی کتاب علم الیقین کے صفحہ ۱۰۵ پر کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے:

"انسانی فطرت کا ہدف و مقصود قرب الٰہی کے مقام تک پہنچنا ہے اور یہ پیغمبروں

Marfat.com

کی رہنمائی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس اعتبار سے نبوّت نظامِ زندگی کا ایک حصہ قرار پاتی ہے لیکن اس کا مقصود اور ہدف سب سے اونچا مرتبہ اور نبوّت کا آخری درجہ ہے نہ کہ نبوّت کا اوّلین درجہ۔ سنّتِ الٰہی کے مطابق نبوّت بتدریج درجۂ کمال تک پہنچتی ہے جیسے کہ ایک عمارت بتدریج مکمل ہوتی ہے۔ عمارت کی تعمیر کا ہدف اس کے پایے اور دیواریں نہیں ایک مکمل مکان ہوتا ہے۔ نبوّت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے نبوّت کا ہدف اس کی کامل صورت ہے یہی وجہ ہے کہ نبوّت کا سلسلہ ایک جگہ پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور مکمل ہو جاتا ہے۔ وہ مزید کسی اضافے کو قبول نہیں کرتا کیونکہ تکمیل کے بعد کوئی اضافہ کمال کے منافی ہوتا ہے اور اس کی حیثیت ایک زائد انگلی کی سی ہو جاتی ہے۔ پیغمبرِ اکرمؐ کی معروف حدیث میں اس جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا نبوّت ایک مکان کی مانند ہے جو تیار ہو چکا ہے لیکن اس کے مکمل ہونے میں صرف ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی ہے اس جگہ کو میں ہی بھرنے والا ہوں یا میں ہی اس آخری اینٹ کا نصب کرنے والا ہوں۔"[1]

۱۔ مجمع البیان میں اس حدیث کا متن سورۂ احزاب کی آیت ۴۰ کے ذیل میں صحیح بخاری اور مسلم کے حوالے سے اس طرح درج کیا گیا ہے:

انما مثلی فی الانبیاء کمثل رجل بنی داراً فاکملها وحسنها الا موضع لبنة مکان من دخل فیها فنظر الیها قال ما احسنها (باقی صفحہ ۲۹ پر)

Marfat.com

ہم نے گزشتہ صفحات میں جو کچھ لکھا ہے، وہ عقیدہ ختم نبوت کے پس منظر اور اس کی بنیادوں کی جانب رہنمائی کے لئے کافی ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی فطرت میں دین کی طلب وہ بنیاد ہے جس پر عقیدۂ ختم نبوت استوار ہوتا ہے۔ تمام انسانوں کی فطرت ایک ہے۔ تکمیلِ انسانیت کا سفر ایک ایسا بامقصد سفر ہے جو ایک متعین اور سیدھے راستہ پر جاری ہے۔ اس اعتبار سے دین حق، جو فطرت کے تقاضوں کی وضاحت کرتا ہے اور انسان کی راہِ راست کی جانب رہنمائی کرتا ہے، صرف ایک ہی ہوسکتا ہے۔

ایک طریق زندگی جو انسانی فطرت کے مطابق ہو، جامع اور کلی ہو اور ہر طرح کی تبدیلی و تحریف سے محفوظ ہو اور جو مسائل کی اچھی طرح تشخیص کرسکے اور جسے اچھی طرح منطبق کیا جاسکے اور عمل و نفاذ کے مرحلے میں ہمیشہ رہنمائی کرسکے اور حالات کے مطابق مختلف طریقوں، لائحہ عمل اور بیشمار جزئی قوانین کے لئے سرچشمہ ثابت ہوسکے، انسانی فطرت کا ایک اہم تقاضا اور انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ آئندہ مضامین اس پہلو کو بہتر طریقے پر واضح کریں گے

اب ہم ان سوالات کا جواب تلاش کرتے ہیں جن کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا تھا۔

(بقیہ از صفحہ ۲۸) :

الاموضع هذه اللبنة فانا موضع هذه اللبنة ختم بي الانبياء

Marfat.com

آسمانی دروازے

پہلا سوال جس کے سبب ختمِ نبوّت کا عقیدہ وجود میں آیا وہ عالمِ غیب اور انسان کے درمیان رابطے سے تعلّق رکھتا ہے. وہ سوال یہ ہے کہ سب سے پہلے دَور کے انسان نے اپنی جہالت اور بے علمی کے باوجود وحی والہام کے راستے سے عالمِ غیب کے ساتھ کس طرح رابطہ پیدا کر لیا اور اس پر آسمان کے دروازے کیسے کھل گئے؟ جبکہ ترقی یافتہ بعد کا انسان اس رحمت سے محروم رہا اور اس پر آسمان کے دروازے بند ہو گئے.

کیا فی الواقع انسان کی روحانی اور باطنی صلاحیتیں کم ہو گئی ہیں اور وہ اس اعتبار سے تنزل میں چلا گیا ہے.

یہ شبہ اس خیال سے پیدا ہوا ہے کہ عالمِ غیب کے ساتھ معنوی ربط و تعلق انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اس لئے سلسلۂ نبوّت کے منقطع ہونے کا لازمی نتیجہ عالمِ غیب اور عالمِ انسانی کے درمیان روحانی اور معنوی رابطے کے انقطاع کی صورت میں ظاہر ہوگا.

لیکن یہ خیال اپنی کوئی بنیاد نہیں رکھتا. قرآنِ کریم بھی غیب اور ملکوت کے ساتھ اتصال کے درمیان اور مقامِ نبوّت کے درمیان لازم و ملزوم کے تعلّق کا قائل نہیں ہے جیسا کہ خرقِ عادت کو وہ پیغمبری کی واحد دلیل تسلیم نہیں کرتا. قرآنِ کریم ایسے اشخاص کا بھی ذکر کرتا ہے کہ ان کی معنوی زندگی ایسی طاقت سے بہرہ مند رہی ہے کہ انہوں نے فرشتوں کے ساتھ ہمکلامی کی ہے اور ان سے خارق العادت (غیر معمولی) امور انجام پائے ہیں حالانکہ وہ اشخاص نبی نہیں تھے. اس کی بہترین مثال عمران کی بیٹی، عیسیٰ مسیحؑ کی ماں

Marfat.com

مریم ہے. قرآن نے ان کے بارے میں حیرت انگیز واقعات کا ذکر کیا ہے. قرآن موسیٰؑ کی والدہ کے بارے میں بھی کہتا ہے. ہم نے اس کی طرف وحی بھیجی کہ موسیٰؑ کو دودھ پلائے اور جب اسے موسیٰؑ کے بارے میں کسی خوف کا احساس ہو تو اسے دریا میں بہا دے ہم اسے محفوظ رکھ کر تیری طرف واپس لوٹا دیں گے ہمیں معلوم ہے کہ عیسیٰؑ کی ماں پیغمبر تھیں اور نہ موسیٰؑ کی والدہ.

حقیقت یہ ہے کہ ملکوتی حقائق کے غیب و شہود کے ساتھ اتصال، آواز غیبی کا سننا اور بالآخر غیب سے خبر کا پانا نبوت نہیں ہے، نبوّت پیغام کا لانا ہے ہر وہ شخص جسے غیب کی خبر مل جائے، پیغام کا لانے والا نہیں ہوتا.

قرآن اشراق اور الہام کا دروازہ ان تمام لوگوں پر کھولتا ہے جو اپنے باطن کو پاک کر لیتے ہیں:

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (سورۂ انفال، آیت ۲۹)

ترجمہ: اگر تم خدا ترسی اختیار کروگے تو اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچا دیگا.

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

(سورۂ عنکبوت، آیت ۶۹)

ترجمہ: جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے.

اسی فلسفہ کے نقطۂ نظر سے معنوی اور عرفانی زندگی کا ایک نمونہ پیش کرنیکے لئے نہج البلاغہ کے ایک خطبہ کا کچھ حصّہ یہاں نقل کرنا کافی ہوگا.

نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۲۰ میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:

Marfat.com

ان اللہ تعالیٰ جعل الذکر جلاء للقلوب تسمع به بعد الوقرة وتبصر به بعد العشوة وتنقاد به بعد المعاندة وما برح للہ عزت آلائه فی البرهة بعد البرهة وفی ازمان الفترات عباد ناجاهم فی ذکرهم وکلمهم فی ذات عقولهم.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کو دِلوں کا صیقل قرار دیا ہے. دِل بہرے ہو جانے کے بعد بھی اس ذکر کے ذریعہ سننے والے اور اندھے ہو جانے کے بعد دیکھنے والے اور سرکشی وعناد کی راہ پر چل پڑنے کے بعد بھی مطیع و فرمانبردار ہو جاتے ہیں. ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے اور آج بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ زمانے کے ہر ایک حصّے میں اور ان زمانوں میں جبکہ لوگوں کے درمیان کوئی پیغمبر موجود نہ ہو اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود رہے ہیں اور آج بھی موجود ہیں جن کے دِلوں میں وہ کوئی راز کی بات ڈالتا رہا ہے اور ان کی عقلوں کی راہ سے ان کے ساتھ بات کرتا رہا ہے.

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے:

ان للہ عبادا لیسوا بانبیاء یغبطهم النبوة.

اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی موجود ہیں کہ وہ پیغمبر نہیں ہیں لیکن نبوّت ان پر رشک کرتی ہے.

شیعہ ائمۂ اطہار علیہم السلام کی باطنی ولایت وامامت کے قائل ہیں جبکہ وہ انہیں نبی نہیں سمجھتے. اس سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے.

Marfat.com

عارفینِ اسلام نے عرفانی اصطلاحات میں معنی سیر وسلوک کے مراتب کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے، ہم طول کلام سے بچنے کے لئے اس کے صرف دو مرحلوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں :

(ا) سفر از خلق بہ حق (مخلوق کی طرف سے خالق کی جانب سفر).

(ب) سفر از حق بہ خلق (خالق کی طرف سے مخلوق کی جانب سفر).

مخلوق کی جانب سے خالق کی طرف سفر پیغمبروں کے لئے مخصوص نہیں ہے. پیغمبر تو مبعوث ہی اسی لئے ہوئے ہیں کہ اس سفر میں انسان کی مدد کریں، جو کچھ پیغمبروں کے لئے مخصوص ہے. وہ خالق کی جانب سے مخلوق کی جانب سفر ہے یعنی وہ مخلوق کی دستگیری اور ارشاد و ہدایت پر مامور ہیں اس سے مراد پیغمبر کی کثرت کی جانب واپسی ہے تاکہ اسے وحدت کی راہ دکھا سکے.

صدر المتالھین مفاتیح الغیب کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں[1] :

"وحی یعنی پیغمبری اور منصب نبوّت کے لئے قلب وسماعت پر فرشتے کا نزول منقطع ہو چکا ہے اور اب کسی شخص پر کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوگا اور اسے کسی فرمان الٰہی کے جاری کرنے پر مامور نہیں کیا جائے گا، کیونکہ "اکملت لکم دینکم" کے حکم کے تحت

۱۔ صدر المتألھین ــ مفاتیح الغیب میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں :
اس حدیث کو ہمارے مسلک سے اور دوسرے مسلکوں سے بھی تعلق رکھنے والے اہلِ حدیث نے نقل کیا ہے یعنی معتبر شیعہ وسنی محدثین نے روایت کیا ہے اس کے لئے کتاب "الشواہد الربوبیہ" کی آخری فصل سے بھی رجوع کیا جاسکتا ہے.

Marfat.com

جو کچھ وحی کے راستے انسان تک پہنچتا تھا وہ پہنچ چکا ہے لیکن الہام و اشراق کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ اس راہ کا مسدود ہونا ممکن نہیں۔"

اس سلسلے میں پہلے بہت کچھ کہا جا چکا ہے اس کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا۔ ہمارے زمانے کے دانشمندوں میں سے علامہ اقبال نے ایک بڑی لطیف بات کہی ہے۔ اقبال نے نبی اور عارف کے درمیان (ان کے قول کے مطابق مرد باطنی) فرق کو اس طرح واضح کیا ہے۔

ایک مردِ عارف تجربہ اتحادی (وصول بہ حق) سے حاصل ہونے والے اطمینان و سکون کے بعد حیات دنیوی کی جانب واپسی کو پسند نہیں کرتا۔ اگر وہ ضرورت کی بنا پر واپس بھی آتا ہے تو انسانیت کے لئے اس کی واپسی چنداں سود مند نہیں ہوتی لیکن خلق کی طرف پیغمبر کی واپسی ثمر بخش اور تخلیقی پہلو کی حامل ہوتی ہے۔ پیغمبر واپس آتا ہے اور وقت کے دھارے میں اتر جاتا ہے تاکہ تاریخ کے دھارے کو قابو میں لائے اور اس طرح کمال مقاصد سے ایک جہان تازہ پیدا کرے۔ ایک مرد عارف کے لئے تجربہ اتحادی (وصول بہ حق) سے حاصل ہونے والا سکون ایک انتہائی مرحلہ ہے اور پیغمبر کے لئے اس کی روحانی قوت کا بیدار ہونا ہے جو ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ یہ قوت ایک ایسے انداز کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے کہ عالم انسانی میں ایک مکمل انقلاب برپا کر دیتی ہے۔ پیغمبری کو ایک ایسی باطنی خود آگاہی رکھنے والی نوع سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اس میں تجربہ اتحادی (وصول بہ حق) اپنی حدود سے باہر نکلنے کے قریب پہنچ جاتا ہے اور ایسے مواقع کی تلاش میں ہوتا ہے کہ اجتماعی زندگی کی طاقتوں کی از سرِ نو توجیہ کرے یا انہیں ایک

Marfat.com

تازہ شکل دے!

پس انقطاعِ نبوّت سے مراد ارشاد و ہدایت کے لئے خدا کی طرف سے ماموریت کا منقطع ہونا ہے. خدا کی طرف سفر کرنے والوں اور سالکوں کے لئے معنوی فیض کا منقطع ہونا نہیں.

اگر ہم نے یہ گمان کیا کہ اسلام نے ختمِ نبوّت کے اعلان کے ساتھ معنوی زندگی کی بھی نفی کردی ہے تو ہم سخت غلطی کریں گے.

نبوّتِ تبلیغی

دوسرا سوال یہ ہے کہ پیغمبرانِ کرام بحیثیتِ مجموعی دو بڑی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے ہیں. وہ خدا کی طرف سے انسان کے لئے قانون اور دستور العمل لاتے رہے ہیں دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو خدا کی طرف بلانے کے ساتھ انہیں اس دور اور زمانے کے الٰہی دستور العمل پر کاربند ہونے کی دعوت دیتے رہے ہیں. پیغمبروں کی اکثریت اسی دوسرے فریضے کے انجام دینے پر مامور رہی ہے. ایسے پیغمبروں کی تعداد بہت کم ہے جن کو قرآن اولوالعزم قرار دیتا ہے اور جن کے ذریعے قانون اور دستور العمل بھیجا گیا ہے. اس اعتبار سے نبوّتیں دو قسم کی رہی ہیں ایک نبوّتِ تشریعی اور دوسری نبوّتِ تبلیغی ـــــــ تشریعی پیغمبر جن کی تعداد بہت تھوڑی ہے. وہ صاحبِ شریعت و قانون انبیاء کہلاتے ہیں جبکہ تبلیغی پیغمبروں کا کام صاحبِ

۱۔ "اسلام میں احیاءِ فکرِ دینی" ترجمہ احمد آرام، ص ۱۲۳-۱۲۴.

Marfat.com

شریعت پیغمبروں کی تعلیمات کو عام کرنا اور ان ہی کے مطابق تعلیم وارشاد کا کام انجام دیتا رہا ہے۔ اسلام نے ختمِ نبوّت کا اعلان کرکے نہ صرف تشریعی نبوّت بلکہ تبلیغی نبوّت کے سلسلے کو بھی ختم کر دیا ہے۔ آخر ایسا کیوں کیا گیا؟ اُمّتِ محمدؐ اور ملّتِ اسلامیہ کو پیغمبروں کے ہدایت وارشاد کے اس سلسلے سے کیوں محروم کیا گیا؟

بالفرض ہم نے یہ بات تسلیم کرلی کہ تکمیل، اتمام اور جامعیّت وکلیت کی بنا پر تشریعی نبوّت کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا لیکن تبلیغی نبوّت کے سلسلے کو کس حکمت، فلسفے کی بنا پر ختم کیا گیا؟

حقیقت یہ ہے کہ نبوّت اور ہدایت وحی کی اصل ذمہ داری یعنی وہی پہلی ذمہ داری (تشریعی) ہے جبکہ تبلیغ، تعلیم اور دعوت کی ذمہ داری (تبلیغی) نصف بشری ہے تو نصف الٰہی۔

وحی اور نبوّت یعنی عالم وجود کی بنیادوں سے ایک پوشیدہ اتصال اور رابطہ اور مخلوق کی ہدایت کے لئے اس کی ماموریت دراصل مظاہر ہدایت کا ایک مظہر ہے جو سارے عالم وجود پر حکم فرما ہے۔

رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝

(سورۂ طٰہٰ، آیت ۵۰)

ترجمہ: ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی ساخت بخشی پھر اس کو راستہ بتایا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ (سورۂ اعلیٰ، آیت ۲-۳)

Marfat.com

ترجمہ: جس نے پیدا کیا اور تناسب قائم کیا جس نے تقدیر بنائی پھر راہ دکھائی۔

موجوداتِ زندگی کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس درجۂ کمال کی مناسبت سے جس پہ وہ پہنچ جاتے ہیں ہدایتِ خاص سے بہرہ مند ہوتے ہیں یعنی ہدایت کی شکل اور خصوصیّت زندگی کے مختلف مراحل کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ تمام دانشور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حیوانات اپنی ساخت کے وسائل طبیعی کے اعتبار سے ضعیف تر اور ناتوان تو ہیں لیکن وہ پوشیدہ جبلی رہنمائی کے اعتبار سے قوی تر ہوتے ہیں انہیں فطرت کی ایک مستقل سرپرستی اور حمایت حاصل رہتی ہے۔ وہ جس قدر طبیعی وسائل اور عقلی، وہمی، خیالی اور حسّی طاقتوں سے لیس ہوتے چلے جاتے ہیں، وجود کی سیڑھی پر ان کے قدم بلندی کی جانب اٹھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی جبلی ہدایت میں کمی آنے لگتی ہے۔ ٹھیک اس بچہ کی طرح جو کمسنی کے ابتدائی مراحل میں ماں باپ اور دوسرے اشخاص کی مستقل سرپرستی اور نگرانی سے بہرہ ور رہتا ہے اور جس قدر وہ رشد و بلوغ حاصل کرتا جاتا ہے، والدین کی مستقل نگرانی و سرپرستی کے دائرے سے باہر نکلتا چلا جاتا ہے۔

جاندار مخلوقات کا زندگی کی سیڑھیوں پر چڑھ کر بلند ہونا اور ان کا عقلی، وہمی، خیالی، حسی اور عضوی وسائل سے لیس ہونا ان کے استحکام و استقلال کو بڑھانا ہے اور اس اعتبار سے ان کی جبلی ہدایت کم ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کیڑے دوسرے تمام حیوانات کی بہ نسبت جبلی ہدایت سے زیادہ لیس ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تکمیلی مراحل کے اعتبار سے سب سے نچلے درجہ

Marfat.com

ہیں ہیں اور انسان جو تکمیل کی سیڑھی کے سب سے اونچے پلہ پر پہنچا ہوا ہے تمام مخلوقات کی بہ نسبت جبلی ہدایت میں کمزور تر ہے۔

وحی ہدایت کے عالی ترین اور بلند ترین مراتب و مظاہر میں سے ایک ہے۔ وہ اپنے اندر ایک ایسی رہنمائی رکھتی ہے جو حس، خیال، عقل، علم اور فلسفہ کی دسترس سے باہر ہے، ان میں سے کوئی چیز وحی کی جگہ نہیں لے سکتی لیکن وحی تشریعی ہی اس خصوصیت کی حامل ہے وحی تبلیغی نہیں۔ وحی تبلیغی کا معاملہ دوسرا ہے۔

انسان اس وقت تک تبلیغی وحی کا محتاج رہتا ہے جب تک اس کی عقل، علم اور تمدن کا درجہ اس مقام تک بلند نہیں ہو جاتا کہ وہ خود اپنے دین کے بارے میں دعوت، تعلیم، تبلیغ، تفسیر اور اجتہاد کا فرض انجام دے سکے۔ علم اور عقل کا ظہور دوسرے الفاظ میں انسانیت کا رشد و بلوغ خود وحی تبلیغی کو ختم کر دیتا ہے اور علماء ان انبیاء کے جانشین قرار پاتے ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے قرآن نے اپنی نازل ہونے والی پہلی آیت میں پڑھنے، لکھنے کی اور قلم و علم کی بات کی ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ
مَالَمْ یَعْلَمْ ۝ (سورۂ علق، آیات ۱-۵)

ترجمہ: پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ

Marfat.com

نہ جانتا تھا۔

یہ آیت اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ قرآن کا عہد پڑھنے، لکھنے، سکھانے کا اور علم و عقل کا عہد ہے۔ یہ آیت ہمیں اشارتًا بتاتی ہے کہ قرآن کے اس دور میں تعلیم، تبلیغ اور آسمانی آیات کی حفاظت کی ذمہ داری علماء کی طرف منتقل کر دی گئی ہے اور علماء اس اعتبار سے انبیاء کے جانشین قرار پاتے ہیں۔ اس آیت نے اس عہد میں بشریت کے استقلال اور بلوغ کا اعلان کیا ہے۔ قرآن نے اپنی تمام آیات میں تدبر، عقلی استدلال، فطرت کے تجرباتی و عینی مشاہدہ، تاریخ کے مطالعہ اور گہرے غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ سب ختم نبوّت کی اور وحی تبلیغی کی جگہ علم و عقل کے جانشین ہونے کی نشانیاں ہیں۔

قرآن کے لئے جس قدر کام ہو چکا ہے کیا کسی دوسری آسمانی کتاب کے لئے اس قدر کام انجام دیا گیا ہے؟ نزولِ قرآن کے ساتھ ہی قرآن کے ہزاروں حفاظ پیدا ہو گئے۔ نزولِ قرآن کو ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ علومِ قرآنی کی خاطر نحو و صرف، قواعد زبان اور عربی زبان کی لغات کی تیاری کا کام شروع ہو چکا تھا۔ معانی، بیان اور بدایع کا علم ایجاد ہوا، ہزاروں تفسیریں اور ان کے مفسّرین، تفسیرِ قرآن کی درسگاہیں وجود میں آگئیں۔ قرآن کے لفظ، لفظ کے بارے میں تحقیق کا کام ہونے لگا اس کام کا زیادہ حصّہ ان لوگوں کے ہاتھوں انجام پاتا رہا جن کی مادری زبان عربی نہیں ہے۔ صرف یہ قرآن سے متعلق خاطر ہی ہے جس نے اس قدر جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ یہ ساری سرگرمیاں آخر توریت، انجیل اور اوستا کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوئیں؟ کیا خود یہ بات بشریت کے رشد و بلوغ اور کتاب آسمانی کی تبلیغ و تعلیم و حفاظت اس کی صلاحیت پر دلالت نہیں کرتی؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ عقل و دانش نبوّت تبلیغی کی جانشین بن گئی ہے۔

Marfat.com

انسان اپنے ابتدائی دَور میں مکتب کے اس کمسن بچے کی طرح تھا جو چند روز بعد ہی اپنی کتاب کو پھاڑ کر پھینک دیتا ہے اسکے برعکس عہد اسلامی کا انسان ایک بزرگ عالم کی طرح ہے کہ وہ جس قدر اپنی کتابوں کا بار بار مطالعہ کرتا ہے اسی قدر ان کے مضامین اسے یاد ہوتے چلے جاتے ہیں اور وہ ان کی گہرائی میں اترتا چلا جاتا ہے

انسانی زندگی کو بالعموم عہد تاریخ اور تاریخ سے پہلے کے عہد کے دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے. تاریخ کا عہد اس دَور کو کہا جاتا ہے جس میں انسان اپنی یادداشتوں کو کتبوں اور کتابوں کی صورت میں محفوظ کرنے کے قابل ہوگیا تھا. اس دَور کی زندگی کے بارے میں ان ہی یادداشتوں کو فیصلہ کن قرار دیا جاتا ہے لیکن ماقبل تاریخ کے عہد کے ایسے کوئی آثار موجود نہیں ہیں جو اس زمانے کی زندگی کے بارے میں فیصلے کی بنیاد بن سکیں.

لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عہد تاریخ کے آثار بھی زیادہ تر پراگندہ اور منتشر ہیں البتہ اس عہد کا وہ آخری حصّہ ظہورِ اسلام کے دور سے پوری طرح متصل ہے جس میں انسان نے اپنی تاریخ اور آثار کو منظم طریقے پر نسل بہ نسل منتقل کرنا شروع کر دیا تھا. خود اسلام کو اس رشدِ عقلی کا ایک بڑا عامل سمجھا جاتا ہے. عہدِ اسلامی میں مسلمانوں نے خود اپنے آثار کی حفاظت و نگہداشت کا کام شروع کر دیا تھا. اس کے ساتھ مسلمانوں نے پچھلی قوموں کے آثار کی بھی کم و بیش حفاظت کی اور انہیں بعد کی نسلوں کی طرف منتقل کرتے رہے. یہ ختمِ نبوّت کا قریبی زمانہ ہی ہے کہ جس میں انسان نے اپنے علمی اور دینی ورثوں کی حفاظت کی صلاحیت کا مظاہرہ کیا. امر واقع یہ ہے کہ حقیقی عہد تاریخ ظہورِ اسلام کے عہد سے بالکل متصل ہے. گزشتہ ادوار میں ایک طرف نفیس علمی، فلسفی اور دینی

Marfat.com

آثار کا ظہور ہوا اور دوسری طرف یہ آثار آب و آتش کے نذر بھی ہوتے رہے. تاریخ میں اس کی دردناک تفصیلات پوری طرح محفوظ ہیں.

اسکندریہ کا عظیم علمی مرکز مشرقی روم کی شہنشاہیت پر مسیحیّت کے اثر و رسوخ کے بعد تباہ ہوگیا اور اس مرکز کا تاریخی کتب خانہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھوں نذرِ آتش ہوگیا!

علم کے ظہور اور ترقی کے ایک ایسے درجے تک انسان کی رسائی نے کہ وہ دینِ آسمانی کا محافظ، داعی اور مبلغ بن سکے، نبوّت تبلیغی کی ضرورت باقی رہنے نہ دی اور اس کا سلسلہ منقطع ہوگیا. یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اکرمؐ نے اس اُمّت کے علماء کو انبیاءِ بنی اسرائیل کی مانند کہا ہے.

۱۔ کافی عرصہ پہلے یہ بات شائع کی گئی تھی کہ اس کتب خانے کو مسلمانوں نے مصر کی فتح کے موقعہ پر نذرِ آتش کیا تھا. یہ بے بنیاد بات اس قدر پھیلائی گئی کہ بعد کے ادوار میں مسلمانوں نے خود اپنی کتابوں میں اسے نقل کرنا شروع کر دیا تھا. قطع نظر اس کے کہ کسی معتبر کتاب میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے، حال ہی میں محققین نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ یہ کتب خانہ متعصب عیسائیوں کے ہاتھوں تباہ ہوا تھا اور اس واقعہ کو مسلمانوں سے منسوب کرنے والا بھی ایک عیسائی ہے کہ جو اس واقعہ کے دو سو سال بعد گزرا ہے. ویل دورانت کی کتاب "تاریخ تمدّن" کے ترجمہ کی گیارہویں جلد کے صفحہ ۲۱۹ پر دیکھیں اور شبلی نعمانی کے رسالہ کتابخانۂ اسکندریہ سے جو اسی موضوع پر لکھا گیا ہے رجوع کریں.

Marfat.com

علّامہ اقبال نے ایک بڑی عمدہ بات کہی ہے.

"پیغمبرِ اسلام دنیائے قدیم اور دُنیائے جدید کے درمیان کھڑے ہیں. الہام کے سرچشمے سے جب آپ کا رشتہ جوڑا جاتا ہے تو دنیائے قدیم سے آپ کا تعلّق پیدا ہو جاتا ہے اور جب روح الہام کو بروئے کار لایا جاتا ہے تو دنیائے جدید سے آپ کا ربط قائم ہو جاتا ہے. زندگی نے آپ کی ذات میں معرفت کے وہ دو سرے سرچشمے دریافت کر لئے ہیں جو اس (زندگی) کے نئے سفر کے لئے موزوں ہیں. اسلام کا ظہور دراصل استدلالی اور استقرائی عقل کا وجود میں آنا ہے. ظہورِ اسلام کے ساتھ رسالت، خود نبوّت کے اختتام پذیر ہونے کی ضرورت کے نتیجے میں، حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے جس سے لازماً یہ دانش مندانہ نتیجہ نکلتا ہے کہ زندگی ہمیشہ کمسنی کے مرحلے میں اور باہر سے رہنمائی کی محتاج نہیں رہ سکتی. اسلام میں کاہنی (فالگیری) اور موروثی سلطنت کی نفی اور قرآن میں عقل اور تجربہ پر دائمی توجہ اور اس کتابِ مبین کا فطرت اور تاریخ کو معرفت بشری کے سرچشموں کی حیثیت دینا دراصل ختمِ نبوّت کے واحد عقیدے کے مختلف خدوخال ہیں. عقیدۂ ختمِ نبوّت کے یہ معنے نہیں لینے چاہئیں کہ زندگی کی انتہائی سرنوشت یہ ہے کہ عقل کامل جذبات و احساسات کی جگہ حاصل کر لے. یہ بات نہ ممکن ہے اور نہ مطلوب."[1]

اسلام نے اعلانِ ختمِ نبوّت کے ضمن میں اپنی ابدیت کا اعلان کیا ہے:

"حلال محمدؐ حلال الیٰ یوم القیامۃ وحرام محمدؐ حرام الیٰ یوم القیامۃ"[2]

۱۔ اسلام میں دینی فکر کا احیاء، ص ۱۴۵.

۲۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۱۷.

Marfat.com

ترجمہ: محمدؐ کا حلال کیا ہوا قیامت تک حلال ہے اور محمدؐ کا حرام کیا ہوا قیامت تک حرام ہے۔

سوالات اور اعتراضات کی ساری بوچھاڑ کا تعلق اسی موضوع سے ہے کہا جاتا ہے کیا کسی چیز کے لئے ہمیشگی ممکن ہے؟

دنیا میں ہر چیز فانی ہے۔ اس دنیا کی اصل بنیاد تغیر ہے۔ دنیا میں صرف ایک ہی چیز جاودانی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو ہمیشگی حاصل نہیں۔

ہمیشگی اور ابدیت کے منکر کبھی اپنی باتوں کو فلسفہ کا رنگ دیدیتے ہیں اور دلیل میں تغیر و تبدل کے اس قانون کو پیش کرتے ہیں جو فطرت کا ایک مجموعی قانون ہے۔

اگر ہم مسئلے پر اس نقطۂ نظر سے غور کریں تو اعتراض کا واضح جواب مل جاتا ہے کہ وہ چیز جو ہمیشہ تغیر و تبدل سے دوچار رہتی ہے وہ مادہ اور دنیا کی مادی ترکیبات ہیں لیکن قوانین اور نظامات خواہ وہ طبیعی نظامات ہوں یا وہ اجتماعی نظامات جو طبیعی اصولوں سے ہم آہنگ ہوں اس قانون تغیر و تبدل کے تحت نہیں آتے۔ ستارے اور شمسی نظامات ظاہر ہوتے ہیں اور چند دنوں بعد فرسودہ اور فانی ہو جاتے ہیں لیکن قانونِ کشش اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔ نباتات اور حیوانات وجود میں آتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں لیکن قوانینِ حیات باقی رہتے ہیں۔

یہی حال انسانوں اور ان کی زندگی کے قانون کا ہے۔ انسان جن میں پیغمبر بھی شامل ہے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن پیغمبر کا لایا ہوا آسمانی قانون زندہ اور تابندہ رہتا ہے۔ ؎

مصطفیٰ را وعدہ داد الطافِ حق　　　گر بمیری تو نمیرد این سبق

Marfat.com

مظاہرِ فطرت تغیر پذیر ہیں قوانینِ فطرت کو تغیر نہیں، اسلام قانون ہے نہ کہ مظاہرِ کائنات میں سے ایک مظہر. اسلام اسی صورت میں مردہ ہو سکتا ہے کہ وہ قوانینِ فطرت سے ہم آہنگ نہ ہو لیکن جب اسلام کا اپنا دعوی ہے کہ وہ فطرت اور انسانی سرشت سے اور اسکے معاشرے سے تازگی اور قوت حاصل کرتا ہے اور قوانین فطرت سے ہم آہنگ ہے تو آخر وہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟

کبھی اجتماعیت کے پہلو سے اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اجتماعی ضوابط اجتماعی تقاضوں کی بنیاد پر وضع کئے جاتے ہیں، جب معاشرہ کی ضروریات قوانین اجتماعی کی بنیاد ہیں تو ان کا عوامل تمدن کی توسیع و تکمیل کے ساتھ ساتھ متغیر ہونا بھی ضروری ہے ہر زمانے کی ضروریات دوسرے زمانے کی ضروریات سے مختلف ہوتی ہیں. ہیزائیل طیاروں، بجلی اور ٹیلی ویژن کے اس جدید دور کی ضروریات گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی پرانے زمانے کی ضروریات سے قطعی مختلف ہوں گی. یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس جدید دور کے لئے بھی وہی ضوابط نافذ ہوں جو پرانے زمانے میں رائج تھے.

دوسرے الفاظ میں عوامل تمدن کے اندر ترقی و توسیع لازماً نئے تقاضے پیدا کرے گی. اس لئے جبر تاریخ کا راستہ روکنا اور زمانے کو ایک ہی حال پر رکھنا ممکن نہیں ہے اور زمانے کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی اختیار نہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے. جامد اور یکساں ضوابط کا پابند رہنا مقتضیات زمانہ کے ساتھ مطابقت اور لچک پیدا کرنے اور تمدن کے قافلے کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے.

بے شک اہم ترین مسئلہ جس سے اس دور میں مذاہب خصوصاً اسلام دوچار ہے یہی مسئلہ ہے. ہماری نئی نسل بجز تغیر و تبدل اور جدت طلبی اور زمانے کے نئے نئے تقاضوں

Marfat.com

کے کچھ نہیں سوچتی. نئی نسل کا سامنا کرتے بھی جو بات سب سے پہلے کانوں تک پہنچتی ہے وہ یہی ہے. اس نسل کے انتہا پسندوں کے نقطۂ نظر سے مذہب اور نوطلبی دو متضاد وجود ہیں. نوطلبی کی خاصیت حرکت اور ماضی سے منہ موڑنا ہے جبکہ مذہب کی خاصیت جمود، سکون، ماضی سے وابستگی اور موجودہ وضع کی حفاظت کرنا ہے.

اسلام کو دوسرے ہر مذہب سے زیادہ اس طرزِ فکر کے حامل گروہ سے مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے. اسلام کا ابدیت و ہمیشگی کا دعویٰ اس گروہ کے لئے بڑا ناقابلِ برداشت ہے. اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں عمل دخل رکھتا ہے. خدا اور بندے کے درمیان تعلق سے لے کر افراد کے اجتماعی روابط، خاندانی روابط، فرد اور اجتماع کے روابط انسان اور اس دنیا کے باہمی روابط سب ہی سے وہ بحث کرتا ہے. اگر اسلام دوسرے مذاہب کی طرح چند رسوم عبادات اور خشک اخلاقی ضوابط تک محدود ہوتا تو پھر اس کے لئے کوئی دشواری نہ تھی لیکن وہ اپنے اس قدر مدنی، فوجداری، دیوانی، سیاسی، اجتماعی اور خاندانی قوانین وضوابط رکھتے ہوئے کیا کر سکتا ہے؟

ہم نے اوپر جو اعتراض نقل کیا ہے اس میں جبر تاریخ، "ضروریات میں تغیر" "مقتضیات زمانہ کی رعایت جیسے نکات کو اٹھایا گیا ہے اس لئے اعتراض کے ان تین اصل نکات پر مختصراً بحث کرنا ضروری ہے. اس کے بعد اسلام کے نقطۂ نظر سے ہم اس اعتراض کو رفع کرنے کی کوشش کریں گے. ان محدود صفحات میں بحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے. ایک ایسا مسئلہ جو فلسفہ، فقہ، تاریخ اور اجتماعیات سب ہی سے متعلق ہے ایک ضخیم کتاب کی وسعت چاہتا ہے جسے برسوں کے مطالعہ کا حاصل قرار دیا جا سکے. تاہم توقع ہے کہ یہ مختصر مقالہ اس اشکال کے رفع کرنے میں مدد دے گا.

Marfat.com

جبر تاریخ

یہ کلمہ دو اجزاء سے مرکب ہے. جبر اور تاریخ. جبر کا مطلب کسی چیز کا حتمی اور یقینی ہونا ہے. فلاسفہ کی اصطلاح میں اسے ضرورت اور وجوب کہا جاتا ہے مثلاً: جب ہم ۵×۵ کہتے ہیں تو یہ ضرب کھانے والے دونوں اعداد ضرورتاً اور جبراً ۲۵ کے مساوی ہوں گے یعنی حتماً ایسا ہی ہے، اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں ہے. یہ بات ظاہر ہے کہ جبر کا لفظ اصطلاحاً ایک فلسفیانہ مفہوم رکھتا ہے. اس سے ہٹ کر جبر کا مفہوم حقوقی، فقہی اور عرفی ہے یعنی یہ لفظ اکراہ اور جبریہ اعمال کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ۵×۵ اپنی ذاتی ساخت کی بناء پر ۲۵ کے مساوی ہے یہ کسی جبری قوت اور جبریہ عمل کی وجہ سے نہیں ہے لیکن تاریخ، تاریخ یعنی حادثات کا مجموعہ جو انسان کی سرگزشت کو تشکیل دیتا ہے. انسانی سرگزشت ایک راستہ طے کرتی ہے. کچھ ایسی طاقتیں کارفرما ہیں جو اسے حرکت میں لاتی ہیں اور اسے قابو میں رکھتی ہیں جیسے ایک دستی پہیہ یا ایک کارخانہ جسے ہاتھ یا بھاپ کی طاقت سے چلایا جاتا ہے. تاریخ کو بھی کچھ عوامل اور طاقتیں حرکت میں رکھتی ہیں. اسے گردش میں لاتی ہیں اور آگے بڑھاتی ہیں. اس اعتبار سے جبر تاریخ، کا مطلب سرگزشت بشر کا حتمی اور پابند ہونا ہے، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کی حرکت جبری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کی اجتماعی زندگی میں کچھ ایسے طاقتور عوامل ہیں جو اپنے قطعی اثرات رکھتے ہیں. ان سے بچنا ممکن نہیں ان عوامل کی تاثیر یقینی اور حتمی ہوتی ہے.

جبر تاریخ، کے کلمے نے ہمارے اس دور میں بڑی قدر و قیمت حاصل کر لی ہے.

Marfat.com

یہ کلمہ موجودہ زمانے میں وہی کردار ادا کر رہا ہے جو اس نے ماضی میں قضا و قدر کے پردہ میں ادا کیا تھا. حوادثِ زمانہ کے آگے سپر ڈال دینا اور اپنی غلطیوں کے عذر تراشنا اس کا مدعا ہے.

یہ ایک شیر خونخوار ہے کہ اس کے مقابل تسلیم و رضا کے سوا کوئی چارہ نہیں.

ماضی میں اس کا نام قضا و قدر تھا اور موجودہ دور میں اسے جبر تاریخ کہا جاتا ہے.

حقیقت یہ ہے کہ قضاء و قدر اور جبر تاریخ دونوں کلمہ صحیح فلسفیانہ مفہوم کے حامل ہیں. ان کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھنا ہی غلط تعبیر کا سبب بنا ہے. ہم نے اپنی کتاب "انسان و سرنوشت" میں قضاء و قدر کے بارے میں بحث کی ہے لیکن جبر تاریخ.

یہ کہ انسانی سرگزشت دنیا کے تمام حوادث کی طرح نہ تبدیل ہونے والا قانون رکھتی ہے اور تاریخی عوامل دوسرے تمام عوامل کی طرح قطعی اور لازمی تاثیرات رکھتے ہیں. یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے. قرآنِ کریم نے خود سنۃ اللہ، کہہ کر اس کی تائید کی ہے لیکن ان عوامل کی تاثیر کی نوعیت اصل مسئلہ ہے. کیا تاریخ کے جبری عوامل کا اثر اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ ہر چیز وقتی، محدود اور زوال پذیر ہو کر رہ جاتی ہے یا اسکی کوئی دوسری صورت بھی ہے؟

ظاہر ہے اس مسئلے کا تعلق عوامل کی نوعیت سے ہے. اگر تاریخ کو گردش میں لانے والے عوامل مضبوط اور پائیدار ہوں گے تو ان کی جبری تاثیر کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہوگا کہ وہ گردش و تسلسل کو برقرار رکھیں گے. اگر اس کے برعکس یہ عوامل ناپائیدار ہوئے تو ان کے نتائج و آثار بھی ناپائیدار ہوں گے. تاریخی عوامل میں سے ایک عامل کا تعلق خاندان اور جنس سے ہے. یہ ایک مضبوط اور پائیدار عامل ہے اور یہ ہمیشہ خاندان کی تشکیل

Marfat.com

رفیقِ زندگی کے انتخاب اور بچوں کی تولید میں موثر رہا ہے۔ تاریخ کے طویل دور میں خاندانی زندگی کے خلاف تحریکیں اٹھتی رہیں لیکن وہ سب ناکام ہوگئیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ یہ تحریکیں جبر تاریخ کے خلاف تھیں، جبر تاریخ، کا تقاضہ یہ تھا کہ خاندانی زندگی باقی رہے۔

ایک دوسرا تاریخی عامل مذہب ہے۔ پرستش انسان کی سرشت میں شامل ہے کسی نہ کسی صورت میں موجود رہی ہے۔ یہ عامل تاریخ کے تمام ادوار میں مؤثر رہا ہے اور اس نے مذہب پرسے توجہ کو ہٹنے نہیں دیا۔

غرض یہ کہ جبر تاریخ کو کسی محدود اور وقتی چیز کے مساوی قرار دے کر ہر قانون اور قاعدہ کی ناپائیداری پر دلیل لانا ایک بڑی غلطی ہے۔

جبر تاریخ، اس جگہ ناپائیداری کو نتیجہ کی صورت میں سامنے لاتی ہے جہاں زیر نظر عامل، جیسے اقتصادی پیداوار کا عامل، ناپائیدار ہو اور کوئی دوسرا عامل اس کی جگہ لے۔ اس لئے انسان اور اس کی ضروریات تاریخ کو گردش میں لانے والے عوامل اور ان میں سے ہر عامل کی معاشرہ پر اثر انداز ہونے والی تاثیری قوت کا سراغ لگانا چاہیئے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے اور ان میں سے کونسا عامل مضبوط و پائیدار ہے اور کونسا کمزور و ناپائیدار۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانی زندگی کی جملہ حالتوں کی ناپائیداری کو جبر تاریخ کے مساوی قرار دینے کا مفروضہ ہی انسان کے "یک جہتی" ہونے کے مفروضے کو آگے لانے کا سبب بنا ہے۔ اس مفروضے کے مطابق یک جہت" انسان زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتا اور تاریخ کا تغیر ایک "یک شاخہ" تغیر ہے۔ اس مفروضے کے حامیوں کے نقطۂ نظر سے ہر دور میں تاریخ کا اصلی اور بنیادی عامل معیشت ہے دولت کی پیداوار اور تقسیم کا طریقہ، افراد کے اقتصادی

Marfat.com

روابط جیسے کارخانہ دار اور مزدور کے روابط، کسان اور زمیندار کے روابط (جو کمزور اور تغیر پذیر روابط ہیں) زندگی کے دوسرے گوشوں مثلاً دین، علم، فلسفہ، قانون، اخلاق اور ہنر کا تعین کرتے ہیں۔ ابتداً دنیا میں اس مفروضے کا بڑا چرچا ہوا لیکن اب یہ اپنی قدر و قیمت کھو چکا ہے۔ آج دنیا اور تاریخ کے بہت سے مادہ پرست مفسرین اس مفروضے کو مسترد کر چکے ہیں۔

ہر چند کہ ابھی علمی اعتبار سے قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان "یہ ناشناسا وجود" کثیر الجہت ہے اور انسانی تاریخ کی توجیہ کثیر الجہت، کے مفروضے سے ہی کی جا سکتی ہے البتہ یہ تسلیم شدہ قدر ہے کہ انسان "یک جہت" نہیں ہے۔ اسکے یک جہت ہونے کا نظریہ اور انسانی تاریخ کے سفر کا یک خطی ہونے کا مفروضہ سب سے زیادہ بے بنیاد مفروضہ ہے۔

انسانی ضروریات

کیا یہ درست ہے کہ انسان کی تمام ضروریات بدلتی رہتی ہیں اور ضروریات کے تغیر کے ساتھ ان سے متعلق قوانین و ضوابط میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تمام انسانی ضروریات حالت تغیر میں ہوتی ہیں اور نہ ضروریات کے تغیر کا لازمی نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ زندگی کے بنیادی اصول اور ضوابط ہی میں تبدیلی آجائے۔

Marfat.com

ضروریات کی پہلی قسم

ضروریات دو طرح کی ہیں: بنیادی ضروریات اور ثانوی ضروریات ـــــ بنیادی ضروریات انسان کی جسمانی و روحانی ساخت اور اجتماعی زندگی کے مزاج کی گہرائیوں سے تعلّق رکھتی ہیں. جب تک انسان اس دنیا میں موجود ہے اور اجتماعی زندگی بسر کر رہا ہے اس کی یہ ضروریات باقی رہیں گی. یہ ضروریات تین طرح کی ہیں؛ جسمانی، روحانی اور اجتماعی:

۱۔ جسمانی ضروریات کا تعلّق خوراک، پوشاک، مسکن اور رفیقِ حیات سے ہے،
۲۔ روحانی ضروریات کے ذیل میں علم، زیبایش، نیکی، پرستش، احترام و تربیت آتے ہیں، اور
۳۔ معاشرت، مبادلۂ اشیاء، تعاون، عدالت، آزادی اور مساوات کا تعلق اجتماعی ضروریات سے ہے.

ثانوی ضروریات، وہ ضروریات ہیں جو بنیادی ضروریات سے پیدا ہوتی ہیں مختلف آلات اور وسائلِ زندگی کی ضروریات اسی نوع کی بنیادی ضروریات سے پیدا ہوتی ہیں جو زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں.

یہ بنیادی ضروریات ہی ہیں جو انسان کو زندگی کی توسیع اور ترقی کی جانب قدم بڑھانے کے لئے آمادہ کرتی ہیں. ثانوی ضروریات زندگی کی توسیع و ترقی سے پیدا ہوتی ہیں اور یہ زیادہ سے زیادہ توسیع و ترقی کے لئے محرک ثابت ہوتی ہیں.

ضروریات میں تغیر اور ان کے نئے ہونے اور پرانے ہونے کا تعلق ثانوی ضروریات سے

Marfat.com

ہے. بنیادی ضروریات نہ پرانی ہوتی ہیں اور نہ ختم ہوتی ہیں وہ ہمیشہ زندہ اور نئی رہتی ہیں.

ثانوی ضروریات کا ایک حصّہ بھی ایسا ہی ہے. قانون کی ضرورت ثانوی ضروریات کے اسی حصّے سے تعلق رکھتی ہے. قانون کی ضرورت اجتماعی زندگی کی بنیادی ضرورت کا ایک لازمی نتیجہ ہے اور اسے بھی دوام اور ہمیشگی حاصل ہے. انسان کسی دور میں بھی قانون سے بے نیاز نہیں ہو سکتا.

ضروریات کی دوسری قسم

یہ بات صحیح ہے کہ تمدن کے عوامل میں توسیع نئی نئی ضروریات کو سامنے لاتی ہے اور وقتاً فوقتاً فرعی قوانین ضوابط و معاہدات کا ایک سلسلہ وجود میں آتا رہتا ہے. مثلاً: حمل و نقل کے مشینی وسائل کی بنا پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ شہروں کے درمیان آمد و رفت کے لئے اور مختلف ممالک کے درمیان سفر اور حمل و نقل کے لئے کچھ قوانین و ضوابط وضع کئے جائیں جبکہ ماضی میں اس طرح کے قوانین اور معاہدوں کی ضرورت نہیں تھی البتہ تمدن کے عوامل میں توسیع حقوقی، تعزیری اور شہری قوانین جن کا تعلق لین دین، وکالتوں، ناجائز قبضوں، ضمانتوں، وراثت، ازدواج اور ایسے ہی دوسرے امور سے ہوتا ہے. اگر وہ فی الواقع عدالت اور فطری حقوق پر مبنی ہوں تو پھر انہیں تبدیل کرنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی. جب یہ ضرورت ہے تو خدا کے ساتھ انسان کے رابطے یا فطرت کے ساتھ انسان کے رابطے سے متعلق قوانین کی تبدیلی کا سوال کیسے پیدا ہوگا.

قانون ضروریات کی تکمیل کا شریفانہ اور عادلانہ طریقہ مقرر کرتا ہے. وسائل و

Marfat.com

آلات ضرورت کی تبدیلی ان کے حصول واستفادہ اور ان کے عادلانہ تبادلے کے طریقے کو تبدیل کرنے کا سبب نہیں بنتی. مگر یہ فرض کرلیا جائے کہ زندگی کے اسباب، وسائل اور آلات میں تبدیلی آتی ہے اور وہ ترقی وکمال کی صورت اختیار کرتے ہیں تو حق، انصاف اور اخلاق کا مفہوم بھی بدل جاتا ہے. دوسرے الفاظ میں ہم کو یہ فرض کرنا پڑے گا کہ حق، عدالت اور اخلاق کے مفاہیم اضافی ہیں. ایک چیز اگر کسی زمانے میں حق، عدالت اور اخلاق کے ذیل میں آتی ہے تو دوسرے زمانے میں وہ حق، عدالت اور اخلاق کے خلاف سمجھی جاتی ہے.

ہمارے دور میں اس مفروضے کا بڑا چرچا ہے لیکن اس سلسلۂ بیان میں اس مسئلے پر بحث کی زیادہ گنجائش نہیں ہے یہاں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس مفروضے کا سبب حق، عدالت اور اخلاق کے حقیقی مفہوم سے ناواقفیت ہے. حق، عدالت اور اخلاق کے ذیل میں جو چیز تغیر پذیر ہے وہ ان کا نفاذ اور ان کی عملی صورت ہے نہ کہ ان کی حقیقت وماہیت

اگر کوئی آئین و دستور حقوق اور فطرت کی بنیاد پر بنایا گیا ہو تو وہ ایک زندہ انقلابی قوت سے بہرہ مند ہوگا وہ زندگی کی اس شکل وصورت سے بحث کرنے کی بجائے جس کا تعلق بظاہر تمدن سے ہے، زندگی کے لئے اصلی اور حقیقی خطوط کھینچے گا، وہ نہ صرف زندگی کے تغیرات سے ہم آہنگ ہوگا بلکہ ان کی رہنمائی کرے گا۔

نئی نئی ضروریات اور قوانین کے درمیان تضاد اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ قانون حرکت وعمل کی راہ متعین کرنے کی بجائے زندگی کی ظاہری شکل وصورت پر توجہ دے مثلاً: مخصوص آلات اور وسائل کو جن کا تعلق سارے کا سارا تہذیب وتمدن کے مراحل

Marfat.com

سے ہوتا ہے انہیں ہمیشہ ایک ہی صورت میں رکھنا چاہیئے۔

اگر قانون یہ چاہے کہ ہمیشہ تحریری کام ہاتھ ہی سے کیا جائے گھوڑے اور خچر ہی سے سواری کا کام لیا جائے اور روشنی کے لئے مٹی کے تیل کی قندیل ہی استعمال کی جائے اور صرف وہی کپڑا پہنا جائے جو ہاتھ سے بنا جاتا ہے۔ اس طرح کا قانون علم و تمدن کی توسیع اور اس سے پیدا ہونے والی احتیاجات سے جنگ کرتا ہے اور یہ لازمی بات ہے کہ جبر تاریخ، اس قانون کو بدل کر رکھ دے گا۔

قانون جس قدر جزئی اور مادی ہوگا یعنی مخصوص مواد و رنگ اور مخصوص صورتوں کا حامل ہوگا اس کے بقاء و دوام کے امکانات کم ہی ہوں گے۔ اس کے برعکس قانون جس قدر کلی اور معنوی ہوگا اور اشیاء کی ظاہری صورتوں پر توجہ دینے کی بجائے اشیاء کے درمیان یا اشخاص کے مابین روابط پر توجہ دے گا اسکے بقاء و دوام کے امکانات زیادہ ہوں گے۔

زمانے کے تقاضے

زمانے کے تقاضے، یعنی ماحول، معاشرہ اور زندگی کے تقاضے۔ انسان عقل، ایجاد و اختیار کی قوت سے لیس ہے اور بہتر زندگی کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی اقتصادی، اجتماعی اور معنوی ضروریات رفع کرنے کے لئے بہتر سے بہتر افکار و نظریات اور عوامل و وسائل کو کارزارِ حیات میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔ بہتر اور کامل تر وسائل و عوامل کی زندگی میں آمد خود بخود پرانے اور ناقص تر عوامل کو اپنی جگہ خالی کر دینے پر مجبور کرتی ہے۔ اس طرح انسان جدید عوامل اور ان کی مخصوص ضروریات

Marfat.com

سے وابستگی پیدا کرلیتا ہے۔ انسان کی مادی اور معنوی احتیاجات کے ایک سلسلے سے وابستگی اور ان احتیاجات کو رفع کرنے والے عوامل و وسائل کا دائمی تغیر اور ان وسائل کا ہمیشہ بہتر ہوتے چلے جانا اور ایک مرحلے پر خود ان کا نئی نئی احتیاجات کے ایک سلسلے کو وجود میں لانا ہر دور اور زمانے میں ماحول اجتماع اور زندگی کے تقاضوں میں تغیر کا سبب بنتا رہتا ہے اور انسان کو لازمی طور پر جدید تقاضوں سے ہم آہنگی پیدا کرنے پر آمادہ کرتا رہتا ہے۔ اس طرح کے تقاضوں سے جنگ نہیں کرنی چاہیئے اور نہ جنگ کی جاسکتی ہے۔

لیکن افسوس کہ کسی عہد کے دوران پیدا ہونے والے نئے مظاہر بہتر افکار و نظریات اور کامل تر وسائل و عوامل کے اعتبار سے زندگی کے لئے زیادہ سعادت بخش نہیں ہوتے۔ یہ انسان ہی ہے جو اپنے زمانے، ماحول اور معاشرہ کو تشکیل دیتا ہے۔ اور انسان غلطی سے محفوظ نہیں ہے۔ اس اعتبار سے انسان کی صرف یہی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ وقت کے دھارے پر بہتا چلا جائے اور اپنے دور کے افکار و نظریات، عادات و اطوار اور پسند و ناپسند کو اپناتا چلا جائے اس کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے وقت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے اور زمانے کی اصلاح کرے اگر انسان خود کو صد فی صد زمانے کے مطابق بناتا رہے گا تو پھر وہ زمانے کو کس چیز سے ہم آہنگ کرے گا؟

افلاسِ فکر رکھنے والے افراد کے لئے "زمانے کے تقاضے" یعنی "آج کی پسند اور سلیقہ" اور یہ جملہ "آج کی دنیا پسند نہیں کرتی" ہر نظری، عملی، صوری، مادی، قیاسی، تجربی اور استقرائی منطق کی رُو سے ان کی شخصیت کو متاثر کرنے اور ان کے غیر مشروط طور پر سر تسلیم خم کر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔ ان لوگوں کے طرزِ فکر کی رُو سے خصوصاً

Marfat.com

دنیائے مغرب میں کسی چیز کا فیشن اور سلیقہ قرار پانا یہ کہنے کے لئے کافی ہے کہ زمانے کے تقاضے بدل گئے ہیں. ان کے نزدیک یہ جبر تاریخ ہے اس سے بچنا ممکن نہیں بلندی و ترقی کے لئے اسے اختیار کرنا لازم ہے. حالانکہ یہ انسان ہی ہے جو اپنے زمانے، ماحول اور اجتماعی عوامل کو تشکیل دیتا ہے. یہ چیزیں عالم قدس سے نازل نہیں ہوتیں. انسان خواہ وہ مغرب کا رہنے والا ہی کیوں نہ ہو. غلطی کا سزاوار ہے.

انسان عقل اور علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ شہوت اور خواہشِ نفس بھی رکھتا ہے. مصلحت اور زندگی کی طرف وہ اچھے قدم اٹھاتا ہے تو کبھی کبھی اس کے قدم غلط سمت پر بھی اُٹھ جاتے ہیں. اس اعتبار سے زمانہ جہاں راہ راست پر پیش قدمی کرسکتا ہے وہاں وہ راہ انحراف بھی اختیار کرسکتا ہے. اس لئے جہاں زمانے کی ایسی پیش قدمیوں کا ساتھ دینا چاہیئے وہاں اس کے انحرافات کی مزاحمت بھی کرنی چاہیئے.

لفظ "آزادی" کی طرح "زمانے کے تقاضے" ان کلمات میں سے ایک ہے جن کا مشرق کی سرزمین پر بڑا برا حشر ہوا ہے اور آج یہ کلمہ استعمار کا ایک ایسا مکمل ہتھیار ہے جس سے وہ مشرق کی اصل تہذیب پر ضرب لگائے اور اس پر مغربی روح مسلط کرنے کا کام لیتا ہے. کتنے فریب ہیں جو اس عنوان سے دیئے جاتے ہیں اور کتنی بدبختیاں ہیں جو اس خوبصورت کتبہ کے ساتھ ہم پر مسلط کی جاتی ہیں.

کہا جاتا ہے کہ زمانہ علم ہے، بلاشبہ یہ بات درست ہے لیکن کیا اس سرچشمۂ علم کے علاوہ دوسرے تمام سرچشمے انسان کے لئے خشک ہوچکے ہیں اور آج جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ صحیح و خالص علم کی حیثیت رکھتا ہے؟ آخر کس دور میں ہمارے اس

Marfat.com

عہد کی مانند علم و دانش کو اس قدر قوت و قدرت اور وسعت حاصل رہی ہے اور کس زمانے میں اس دور کی طرح علم و دانش اپنی آزادی سے محروم ہو کر شہرت کے عفریت کی غلام اور خود غرضی، جاہ طلبی، زر پرستی و استحصال کے اژدھوں کا شکار رہے ہیں؟

جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ زمانے کے تغیر پذیر تقاضے کسی قانون کو ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہنے دیتے انہیں چاہیئے متذکرہ بالا دو موضوعات کو ایک دوسرے سے الگ کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسلام میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے، جو بہتر زندگی کی جانب پیشقدمی کی مخالف ہو.

ہمارے اس دور کی مشکل یہ ہے کہ آج کے انسان کو ان دونوں باتوں کو الگ کر کے غور کرنے کی بہت کم توفیق ہوتی ہے، وہ قدیم کے ساتھ رشتہ جوڑ کر جمود اختیار کر لیتا ہے اور جو کچھ نیا ہو اس سے لڑنے لگتا ہے یا پھر اس قدر جہالت پر اتر آتا ہے کہ ہر نئی ظاہر ہونے والی چیز کو "زمانے کے تقاضوں" کے نام پر ضروری سمجھنے لگتا ہے.

حرکت و لچک

بعض مسائل: جبر تاریخ۔ ضروریات زندگی میں تغیر۔ زمانے کے تقاضے۔ یہ تینوں باتیں ہمارے لئے صرف یہ جاننے کے لئے مفید ہیں کہ ہم ان باتوں کو بہانہ بنا کر اور آنکھیں بند کر کے کسی قانون کو ہدف نہیں بنا سکتے اور اس کی ابدیت کے منکر نہیں ہو سکتے.

واضح ہے کہ صرف ان مسائل پر بحث، قانون کی ابدیت کے مسئلے کی مشکل حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے. اس لئے کہ یقیناً اگر کوئی ابدی قانون زندگی کی تمام متغیر صورتوں کا احاطہ

Marfat.com

کرنا چاہیے اور تمام مشکلات کے حل کرنے کی راہ دکھائے، اور ہر مشکل کو بہتر طریقے پر رفع کر دے تو اسے قوت و حرکت کے ساتھ ایک لچک سے بھی بہرہ مند ہونا چاہیئے وہ خشک، جامد اور بے لچک نہ ہو۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ اسلام اپنی اس اصل کی حفاظت کرتے ہوئے "حلال محمدٌ حلالٌ الیٰ یوم القیامۃ وحرام محمدٌ حرامٌ الیٰ یوم القیامۃ" زندگی کے مختلف مسائل کے حل کی راہ کس طرح دکھاتا ہے۔

یقیناً اسلام کے قانون سازی کے نظام میں کوئی راز اور رمز چھپا ہوا ہے جو اس بڑی مشکل پر قابو پا لیتا ہے۔

اسلام کی منطقی روح کے تمام بھیدوں اور رازوں کا سرچشمہ اس انسان کی فطرت و طبیعت، اجتماعیت اور پورے عالم کے ساتھ کامل وابستگی ہے۔

اسلام نے اپنے قوانین و ضوابط کے وضع کرنے میں فطرت کے احترام اور فطری قوانین کے ساتھ اپنی وابستگی کا باقاعدہ طور پر اعلان کیا ہے۔ اسلام کی یہی وہ جہت ہے جس نے قوانینِ اسلام کے ابدی ہونے کا امکان پیدا کر دیا ہے۔

فطرت کے ساتھ اسلام کی وابستگی اور ربط کو مندرجہ ذیل نکات سے سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ حریم دین میں عقل کو جگہ دینا

دنیا کے کسی دین نے اسلام کی طرح عقل کے ساتھ اس قدر قریبی رشتہ نہیں رکھا ہے اور اس کے "حق" کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ کسی دین کا نام لیا جا سکتا ہے کہ جس نے عقل کو اپنے احکام کے سرچشموں میں سے ایک سرچشمہ قرار دیا ہو۔ فقہاءِ اسلام نے احکام کے چار سرچشمے اور ذریعے قرار دیئے ہیں۔ کتاب، سنّت، اجماع، عقل۔ فقہائے اسلام عقل اور شرع کے درمیان ناقابلِ شکست رشتے کے قائل ہیں اور اسے

Marfat.com

ایک لازمی اصول قرار دیتے ہیں. وہ کہتے ہیں :

"کل ما حکم به العقل حکم به الشرع وکل ما حکم به الشرع حکم به العقل"

جو کچھ عقل سلیم حکم کرتی ہے شرع بھی اسی کے مطابق حکم کرتی ہے اور جس چیز کا شرع حکم دیتی ہے عقل بھی اس کا حکم کرتی ہے۔

فقہ اسلامی میں خود عقل کسی قانون کو منکشف کرنے والی ہو سکتی ہے اور وہ کسی قانون میں قیود و حدود وضع کر سکتی ہے یا اس قانون میں عمومیت پیدا کر سکتی ہے اور تمام سرچشموں اور ذرائع سے استنباط کرنے میں بڑی اچھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے.

عقل کی دخل اندازی کا حق اس طرح پیدا ہوا ہے کہ اسلامی قوانین زندگی کی حقیقت سے سروکار رکھتے ہیں اسلام اپنی تعلیمات میں ایسی مجہول پراسراریت اور رمزیت کا قائل نہیں ہے، جسے حل نہ کیا جا سکتا ہو.

۲۔ جامعیت اور خود قرآن کی تعبیر کے مطابق وسطیت

کسی قانون کا مکتب قانون کا یکطرفہ ہونا خود اپنے اندر اپنی تنسیخ کی دلیل رکھتا ہے، انسان کی زندگی پر غلبہ رکھنے والے اور اثر انداز ہونے والے عوامل بہت زیادہ ہیں، ان میں سے کسی ایک سے بھی صرف نظر کرنا خود عدم تعادل پیدا کرتا ہے. قوانین کے ابدی ہونے کا سب سے اہم عنصر ان کا تمام مادی، روحانی، انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر محیط ہونا ہے. تعلیماتِ اسلامی کی جامعیت اور ہمہ جہتی کی صفت ہی اسلام سے شناسا ہونے والوں کے درمیان اس کی مقبولیت کا سبب ہے. اس نکتہ پر تفصیلی بحث

Marfat.com

ہماری اس گفتگو کے دائرے سے باہر ہے۔

۳۔ اسلام نے کبھی زندگی کی ظاہری شکل و صورت سے بحث نہیں کی

تمام اسلامی تعلیمات نے روح اور معانی پر اور اس طریقے پر توجہ دی ہے جو انسان کو ان مقاصد و معانی تک پہنچاتا ہے۔ اسلام نے مقاصد و معانی اور ان تک پہنچنے کے طریقے کی طرف رہنمائی اپنے ذمے لینے کے بعد انسان کو اس کے علاوہ دوسرے امور میں آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اس طرح اس نے تہذیب و تمدن کے توسیعی عمل کیساتھ تصادم سے پرہیز کیا ہے۔

اسلام میں کوئی مادی وسیلہ اور کوئی ظاہری شکل نہیں ملے گی، جسے تقدس حاصل ہو اور مسلمان کی یہ ذمہ داری ہو کہ وہ اس شکل اور ظاہر کی حفاظت کرے۔ اس اعتبار سے علم و تمدن کے توسیعی مظاہر کے ساتھ تصادم سے پرہیز اسلام کی ایک ایسی جہت ہے کہ اس نے زمانے کے تقاضوں پر دین کو منطبق کرنے کا کام آسان کر دیا ہے اور اپنی ابدیت کی راہ میں حائل ہونے والی ایک بڑی رکاوٹ کو دُور کر دیا ہے۔

۴۔ اس دین کی خاتمیت اور ابدیت

اس دین کی خاتمیت اور ابدیت کا ایک دوسرا رمز یہ ہے کہ وہ قوانینِ فطرت کے ساتھ ہم آہنگی سے قوت حاصل کرتا ہے اس نے انسان کی مستقل اور دائمی ضروریات کے لئے مستقل اور غیر متبدل قوانین بنائے ہیں اور تغیر پذیر حالات اور صورتوں کے لئے اس نے قابل تغیر وضع قانون کی پیش بینی کی ہے۔

سطورِ بالا میں ہم کہہ چکے ہیں کہ بعض انسانی ضروریات خواہ ان کا تعلق انفرادی

Marfat.com

شعبوں سے ہو یا اجتماعی شعبوں سے اپنی ایک مستقل صورت رکھتی ہیں اور وہ تمام انسانوں میں یکساں ہوتی ہیں . انسان اپنی جبلتوں اور عادتوں کے لئے جو نظام وضع کرتا ہے وہ اخلاق کہلاتا ہے اور اجتماعی زندگی کے لئے جو نظام تشکیل دیتا ہے اسے عدالت، کا نام دیا جاتا ہے اور وہ اپنے خالق سے جو رابطہ قائم کرتا ہے اور اپنے ایمان کی تجدید و تکمیل کرتا ہے اسے عبادت، کہتے ہیں . ان تینوں کا تعلق اِن مستقل قسم کی ضروریات سے ہے .

انسان کی بعض دوسری ضروریات تغیر پذیر ہوتی ہیں، جو قانون کے لحاظ سے ایسی قانون سازی کو لازم کرتی ہیں جس میں تبدیلی ہو سکتی ہے. اسلام نے ایسی تغیر پذیر احتیاجات کے لئے وضع قانون کی لچکدار صورت اختیار کی ہے اس طرح اس نے قابلِ تغیر حالات کے لئے قانون سازی کو مستقل اور غیر متبدل اصولوں کے ساتھ مربوط کر دیا ہے اور وہ اصول ہر تغیر پذیر نئی صورت حال میں خاص اور متناسب فرعی قانون کو وجود میں لاتے ہیں .

ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں .

اسلام میں ایک اجتماعی اصول یہ ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

(سورۂ انفال، آیت ۶۰)

یعنی آخری امکانی حد تک دشمن کے مقابل قوت فراہم کرو اور طاقتور بن کر رہو. کتاب یعنی قرآن ہمیں اس اصول کی تعلیم دیتا ہے. دوسری طرف سُنّت سے ہمیں ہدایات کا ایک سلسلہ ملتا ہے کہ فقہ میں یہ ہدایات "سبق و رمایۃ" کے عنوان سے معروف ہیں. ہدایت کی گئی ہے مسلمان اور ان کے فرزند گھوڑے سواری اور تیر اندازی

Marfat.com

میں کامل مہارت حاصل کریں. گھوڑے سواری اور تیر اندازی اس دور کے فنونِ حرب کا ایک اہم جز تھے اور دشمن کے مقابل قوت کی فراہمی اور طاقتور بننے کا بہترین ذریعہ تھے. "سبق ورمایۃ" کے قانون کی اصل تو قرآن کا یہ حکم ہے: "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ" ہے یعنی اسلام کے نقطۂ نظر سے تیز، تلوار اور نیزہ اور گھوڑا اصلیت نہیں رکھتے، یہ اسلامی مقاصد کا جز نہیں ہیں، جو بات اصلیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو ہر دور اور زمانے میں دشمن کے مقابل اپنے فوجی اور دفاعی وسائل کو آخری حدِ امکان تک مضبوط اور طاقتور بنانا چاہیئے.

درحقیقت تیر اندازی اور گھوڑا دوڑانے میں مہارت ایک لباس ہے، جو دشمن کے مقابل طاقت کے جسم کو پہنایا گیا ہے. دوسرے الفاظ میں تیر اندازی میں مہارت اس زمانے میں طاقتور بننے کی ایک عملی صورت تھی دشمن کے مقابل طاقتور بننے کا لزوم ایک مستقل قانون کی حیثیت رکھتا ہے جو ایک دائمی اور مستقل ضرورت سے قوت حاصل کرنا ہے لیکن تیر اندازی اور اسب دوانی ایک وقتی ضرورت کا مظہر ہیں اور زمانے کے تقاضوں اور تہذیبی وفنی عوامل کی توسیع کے ساتھ ان میں تبدیلی آتی رہتی ہے اور دوسری چیزیں جیسے آج کے جدید اسلحہ کے استعمال میں مہارت کا حصول ان کی جگہ لے لیتی ہیں.

دوسری مثال، پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے:

"علم و دانش کا حصول ہر مسلمان پر واجب ہے."

حکماءِ اسلام نے یہ ثابت کیا ہے کہ علم و دانش کا حصولِ اسلامی نقطۂ نظر سے دو صورتوں میں واجب ہے:

ایک اس صورت میں جبکہ ایمان کا حصول علم و دانش سے وابستہ ہو.

Marfat.com

دوسرے اس وقت جب کسی ذمہ داری کا پورا کرنا علم و دانش کے حصول پر منحصر ہو.
دوسری صورت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ طلب دانش کا واجب ہونا تیاری کے لئے ہے کہ انسان کسی ذمہ داری کے ادا کرنے کی قابلیت پیدا کرے.
اسی لئے علوم کے حصول کا واجب ہونا یا واجب نہ ہونا زمانے کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہو جاتا ہے. پچھلے بعض ادوار میں اسلامی فرائض کی ادائیگی حتیٰ کہ اجتماعی فرائض جیسے تجارت، صنعت و سیاست کے لئے دانش کا حصول زیادہ ضروری نہیں تھا، اس کے لئے عام تجربات کافی تھے. ہمارے زمانے کی طرح بعض دوسرے زمانوں میں ان فرائض کی ادائیگی اس قدر دشوار اور پیچیدہ رہی ہے کہ اس کے لئے برسوں تعلیم اور خصوصی تربیت لازمی قرار پائی تاکہ اسلامی اجتماعی فرائض (واجبات کفائی) انجام پا سکیں. یہی وجہ ہے کہ سیاسی، اقتصادی اور فنی علوم کی تحصیل جو ایک دور میں واجب نہیں تھی، دوسرے دور میں واجب ہو جاتی ہے. ایسا کیوں؟ اسلامی معاشرہ کے استقلال، عزت اور حیثیت کے تحفظ کے لازمی اصول پر عمل کرنا ایک مستقل اور دائمی اساس کی حیثیت رکھتا ہے اور موجودہ دور کے حالات میں تحصیل و تکمیل دانش کے بغیر اس اصول پر پوری طرح عمل نہیں کیا جا سکتا، اس فرض کی ادائیگی مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں یکساں شکل میں نہیں رہی ہے. اس سلسلے میں بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں.

۵۔ اسلامی تعلیمات کی فطرت اور طبیعت کیساتھ ہم آہنگی

ایک دوسرا پہلو جو فطرت اور طبیعت کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی اہم آہنگی

Marfat.com

کی علامت ہے اور جس کی وجہ سے اسلامی قوانین کی ابدیت کا امکان پیدا ہوتا ہے، وہ حقیقی مصالح اور مفاسد کے ساتھ احکامِ اسلامی کا علّت و معلول کا رابطہ اور اس رو سے احکام کی درجہ بندی ہے۔

اسلام نے یہ واضح کیا ہے کہ احکام حقیقی مصالح و مفاسد کے ایک سلسلے کے تابع ہیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ مصالح و مفاسد ایک ہی درجے میں نہیں رکھے جاتے۔

اسی وجہ سے فقہ اسلامی میں ایک مخصوص باب باب "تزاحم" یا "اہم و مہم" رکھا گیا ہے تاکہ فقہا اور اسلامی کارکنوں کے لئے مختلف مصالح و مفاسد کے یکجا ہونے اور ان سے واسطہ پڑنے کی صورت میں آسانی حاصل ہو۔ اسلام نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر علمائے اُمّت مصلحتوں کی اہمیّت کے درجوں کا خود اسلام کی رہنمائی میں پوری توجہ کے ساتھ یقین کریں اور زیادہ اہم مصالح کو کم اہمیّت والے مصالح پر ترجیح دیں اور تعطل کی حالت سے باہر نکل آئیں۔

رسولِ اکرمؐ سے روایت ہے:

اذا اجتمعت حرمتان طرحت الصغریٰ للکبریٰ

جہاں دو امور واجب الاحترام جمع ہو جائیں تو بڑے امر کی خاطر چھوٹے امر سے صرفِ نظر کرنا چاہیئے۔

ابن کثیر "النہایہ" میں اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس میں جماعت کا فائدہ اور فرد کا نقصان ہو رہا ہو تو جماعت کا مفاد فرد کے نقصان پر مقدم ہے"۔

جو کچھ ابن کثیر نے کہا ہے وہ زیادہ اہم مصلحت کو کم اہمیّت والی مصلحت پر مقدم

Marfat.com

رکھنے کے ایک موقع سے متعلق ہے، حدیث کا فائدہ اسی ایک موقع تک محدود نہیں ہے۔ مردہ جسم کے اعضاء کی تشریح (ANATOMY) کے علم کو ہمارے دور میں علم کی ترقی کے لئے ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس کا تعلق باب "تزاحم" سے ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے اسلام نے مسلمان کے بدن کے احترام اور مراسم تجہیز میں عجلت کو لازم قرار دیا ہے جبکہ ہمارے زمانے میں طب کی تعلیم و تحقیق کے ایک حصے کا انحصار تشریح اعضاء پر ہے۔ اس طرح دو مصلحتیں ایک دوسرے کے مقابل آگئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ طبی تعلیم و تحقیق کی مصلحت میت کی جلد تجہیز اور اس کے بدن کے احترام کی مصلحت پر مقدم ہے اس احتیاط کے ساتھ کہ غیر مسلم کی لاشوں کے کافی نہ ہونے کی صورت میں مسلمان کی لاش پر انحصار کیا جائے اور پہچانی جانے والی لاش کو چھوڑ کر نہ پہچانی جانے والی لاش استعمال کی جائے۔ اسی طرح بعض دوسری باتوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔ اس طرح "اہم و مہم" کے قاعدہ کے تحت مسلمان لاش کے اعضاء کی تشریح کی ممانعت ختم ہو جاتی ہے۔ اس قاعدہ کے تحت بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

۶۔ اسلامی قوانین کو لچکدار بنانے والے قواعد کا وجود

ایک دوسری چیز جس نے اسلامی ضوابط کو لچک، حرکت اور تطبیق کی خاصیت عطا کی ہے اور ان کی ہمیشگی کو برقرار رکھا ہے، بعض کنٹرول کرنے والے قواعد کے سلسلے کی موجودگی ہے جسے اسلامی قوانین کے متن میں شامل کیا ہے۔ فقہاء نے ان قواعد کا بڑا اچھا نام رکھا ہے اور انہیں "حاکمہ" کہتے ہیں یعنی وہ قواعد جو تمام اسلامی احکام و ضوابط پر بالادستی رکھتے ہیں اور ان سب پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ قواعد اعلیٰ مناصب رکھنے

Marfat.com

والے انسپکٹروں کی طرح تمام احکام وضوابط کی نگرانی کرتے ہیں اور انہیں کنٹرول کرتے ہیں۔ قاعدہ "حرج" اور قاعدہ "لاضرر" ان ہی نگران قواعد (حاکمہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ درحقیقت اسلام نے ان نگران قواعد کو ویٹو کا حق دیا ہے ان قواعد کی داستان بڑی دلچسپ اور مفصل ہے۔

۷۔ اسلام کا اسلامی حکومت کو بعض مخصوص اختیارات دینا

کچھ دوسرے اختیارات ہیں جو اسلام نے حکومتِ اسلامی کو اور دوسرے الفاظ میں اجتماعِ اسلامی کو دیئے ہیں یہ اختیارات ابتدائی درجہ میں خود پیغمبرؐ کی حکومت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد امامؑ کی حکومت سے ان کا تعلق ہے پھر ہر شرعی حکومت کو یہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ

پیغمبر خود مؤمنین سے زیادہ ان کے نفوس پر تسلط کا حق رکھتا ہے۔

یہ اختیارات ایک وسیع دائرہ رکھتے ہیں۔ اسلامی حکومت جدید حالات اور جدید ضروریات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلام کے اساسی اصول ومبانی پر توجہ کر کے ضوابط کا ایک سلسلہ وضع کر سکتی ہے کہ ماضی میں موضوعاً موجود نہیں رہے ہیں۔[۱]

۱۔ رجوع کیجئے "تنبیہ الامہ" مرحوم آیۃ اللہ نائینی، صفحات ۹۷، ۱۰۲، اور مقالہ "ولایت وزعامت" علامہ طباطبائیؒ کے قلم سے، کتاب "مرجعیت وروحانیت" چاپ دوم میں صفحات ۸۲ تا ۸۴

Marfat.com

حکومتِ اسلامی کی قوت کے لئے ان اختیارات کا وجود لازمی شرط ہے تاکہ وہ آسمانی قوانین کا بہتر طریقہ پر اجراء اور انہیں بہتر انداز میں زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر سکے اور ہر دَور کے مخصوص لائحۂ عمل کو بہتر طور پر مرتب و منظم کر سکے. یہ اختیارات کچھ حدود اور شرائط رکھتے ہیں کہ یہاں ان کے بارے میں کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے.

ذمہ داری کی منتقلی

ہماری گذشتہ باتوں سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ انسان کا عقلی و علمی بلوغ اور اس کی توانائی کے نئے دَور کا آغاز، جس میں اس پر الٰہی قوانین و معارف کے تمام حقائق روشن ہوئے اور دینی ورثوں کی حفاظت، تحریفات اور بدعتوں کے خلاف جنگ، دین کی اشاعت تبلیغ اور دعوت کا کام انجام پایا. ختمِ نبوت کا اصل بنیادی پس منظر ہے. انسان کے دَورِ اوّل میں مجبوراً "وحی" نے جو ذمہ داری عمدہ طریقے پر پوری کی تھی اسے رشد و بلوغ عقل و علم کے دَور میں علمی و عقلی قوت انجام دیتی ہے اور علماء انبیا کے وارث قرار پاتے ہیں.

علمائے اسلام کی ذمہ داری

باوجودیکہ اسلام رائج مذاہب کی روایات کے برعکس علمائے امت کے لئے کسی ایسے اختیار کا قائل نہیں ہے جو طبقاتی امتیاز پر منتج ہو، دین کی بڑی اہم ترین ذمہ داری ان کے شانوں پر عائد کی ہے. اسلام کی طرح کسی دین میں علماء نے ایسا مؤثر اور حقیقی

Marfat.com

نقش مرتسم نہیں کیا ہے اور یہ اس دین کی خاتمیت سے حاصل ہونے والی خصوصیت ہے۔ اوّلین منصب جو خاتمیت کے دَور میں پیغمبروں کی طرف سے علمائے اُمّت کی جانب منتقل ہوا ہے وہ دعوت، تبلیغ، ارشاد اور تحریفات و بدعات کے خلاف جنگ کا منصب ہے۔

انسانی گروہ تمام زمانوں میں دعوت و ارشاد کے محتاج رہے ہیں۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ اس ذمہ داری کو خود اُمّت کے ایک گروہ پر ڈالا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط (سورۂ آلِ عمران، آیت ۱۰۴)

تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیئے جو خیر کی طرف دعوت دے نیکی کا حکم کرے اور برائی سے روکے۔

وہ اسباب ہر وقت موجود رہے ہیں جو تحریفات و بدعت پر منتج ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہ علماءِ اُمّت ہی کی ذمہ داری ہے کہ تحریفوں اور بدعتوں کے خلاف جنگ کریں۔ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا ہے:

اذا ظهرت البدع فعلى العالم ان يظهر علمه ومن لم يفعل فعليه لعنة الله

جب بدعتیں ظاہر ہوں یہ عالم کی ذمہ داری ہے کہ اپنے علم کو ظاہر کرے اور جو ایسا نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت۔

جو چیز تحریفات و بدعات کے خلاف جنگ کو ممکن اور اسکے کام کو آسان بناتی ہے وہ اصلی معیار و مقیاس یعنی قرآن کا محفوظ رہنا ہے رسولِ اکرمؐ نے خاص طور پر

Marfat.com

تاکید کی ہے کہ جو کچھ آپ کی زبان سے نقل ہوا ہے اس کے صحت وسقم کو معلوم کرنے کیلئے قرآن کی کسوٹی سے فائدہ اٹھایا جائے.

کتابوں کے اصل متن کو حوادث کے دستبرد سے محفوظ رکھنا، اصول سے فروع کا استنباط، جزئیات پر کلیات کا انطباق ہر دور کے جدید مسائل کی دریافت ان پر غور و بحث، یکطرفہ رجحانات کا سدِ باب، صورتوں، ظواہر اور عادتوں پر جمود کے خلاف جنگ، فرعی ضوابط اور نتیجہ سے اصل اور مستقل احکام کو الگ کرنا. اہم و مہم کی تشخیص اور اہم کو ترجیح دینا وقتی قوانین کے وضع کرنے میں حکومت کے اختیارات کے حدود کا تعین، زمانے کی ضروریات سے ہم آہنگ لائحہ عمل کی تیاری، ختمِ نبوت کے اس دور میں علماء کے اہم فرائض ہیں.

اُمتِ اسلامیہ کے علماء اپنی ذمہ داری اور اہم منصب کے پیشِ نظر اپنے زمانے کے سب سے زیادہ عالم افراد ہونے چاہئیں کیونکہ وہ انسانوں کے اخلاقی انحرافات اور روحانی انحطاط کے مقتضیات سے وقت کے حقیقی مقتضیات کو جدا کر کے ان کی ٹھیک ٹھیک تشخیص اسوقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ زمانے کی روح سے زمانے کی ساخت میں کارفرما عوامل اور ان عوامل کی سمت سفر سے اچھی طرح واقف نہ ہوں.

اجتہاد

علماء اُمت کی اہم ذمہ داریوں اور فرائض میں سے ایک اجتہاد بھی ہے. اجتہاد کا مطلب صحیح طریقے سے وہ عالمانہ کوشش ہے جو کتاب، سُنّت، اجماع اور عقل کے سرچشموں سے استفادہ کر کے اسلام کے اصول وضوابط معلوم کرنے کے لئے کی جاتی ہے.

Marfat.com

اجتہاد کا لفظ پہلی بار احادیثِ نبوی میں استعمال ہوا پھر مسلمانوں میں اس کا رواج ہوگیا. قرآن میں یہ لفظ نہیں آیا. روح معنی کے لحاظ سے جو لفظ اس کا مرادف ہے اور قرآن میں بھی آیا ہے وہ" تفقہ" ہے قرآن نے صراحت کے ساتھ تفقہ، دین کی گہری فہم حاصل کرنے کی تاکید کی ہے.

اجتہاد یا تفقہ سے خاتمیت کے اس دُور میں بہت نازک اور بنیادی ذمہ داری وابستہ ہے اور اسلام کی ابدیت کے لئے اسے ایک اہم شرط کی حیثیت حاصل ہے. اجتہاد کو اسلام کی قوت محرکہ کہا گیا جو بالکل درست ہے، بزرگ مسلمان فلسفی ابن سینا بڑی روشن فکری کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی ہے وہ کہتا ہے :

"اسلامی کلیات مستقل، غیر متغیر اور محدود ہیں لیکن حوادث و مسائل غیر محدود اور متغیر ہیں اور ہر دَور مخصوص تقاضوں اور مخصوص مسائل کا حامل ہوتا ہے. اسی لئے ہر دَور اور عہد میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ماہر، اسلامی کلیات کے عالم، زمانے کو درپیش مسائل سے آگاہ اور جو کلیاتِ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل میں اجتہاد و استنباط احکام کی صلاحیت کے حامل اور اس ذمہ داری کو پورا کر سکیں."[1]

تمدنِ اسلامی کے درخشاں دَور میں جبکہ ایک وسیع اور بدوی مُسلم معاشرہ ترقی و توسیع کی جانب تیزی سے قدم بڑھا رہا تھا اور اس نے ایشیا کے علاوہ یورپ اور افریقہ کے بعض حصوں پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور گوناگون نسلوں اور قوموں پر، جن میں سے ہر ایک اپنا

۱۔ آخر الٰہیات کتاب "شفا بوعلی سینا"

Marfat.com

ایک خاص ماضی اور تہذیب رکھتی تھی، اسے حکومت کرنے کا موقع ملا. اس دوران ہزاروں جدید مسائل پیدا ہوئے. مسلمان اس ذمہ داری سے بڑی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور دنیا کو حیرت میں ڈال دیا. علماءِ اسلام نے ثابت کر دیا کہ اسلامی سرچشمے اپنی بہتر تشخیص اپنے بہتر استنباط سے ترقی وتکمیل کے مراحل سے گزرنے والے کسی بھی معاشرہ کے ساتھ چل سکتے ہیں اور اس کی رہنمائی کر سکتے ہیں. انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ "اسلامی حقوق" کا قانون یعنی (CIVIL PROCEDURE) زندہ ہے اور زمانے کی ترقی سے پیدا ہونیوالے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی کی قابلیت رکھتا ہے اور ہر دور کی ضروریات کا جواب دے سکتا ہے.

مستشرقین اور ماہرینِ قانون جنہوں نے اس دور کی فقہ اسلامی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اس حقیقت کے معترف ہیں اور حقوقِ اسلامی یعنی اسلام کے (CIVILPROCEDURE) کو مستقل "مکتب قانون" کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے اور اسے ایک زندہ مکتب قانون قرار دیا ہے.

ساتویں صدی ہجری تک اجتہاد کا حق محفوظ تھا اور اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ اس ساتویں صدی میں خاص تاریخی اسباب کی بنا پر شوریٰ اور اجماع کو بنیاد بنا کر علماء سے یہ حق سلب کر لیا گیا اور علماء ہمیشہ کے لئے دوسری اور تیسری صدی ہجری کے علماء کے نظریات کا اتباع کرنے پر مجبور ہو گئے اور یہیں سے چھ معروف مذاہب تک فقہی مذاہب کی تحدید وجود میں آئی.

اجتہاد کے دروازے کا بند ہو جانا عالمِ اسلام کا ایک بڑا المناک حادثہ سمجھا جاتا ہے شاید اجتہادات میں افراط کے سلسلے کے خلاف ردعمل کے طور پر ایسا ہوا ہو، بہر کیف فقہ

Marfat.com

اسلامی میں جمود اور ٹھہراؤ اسی وقت سے شروع ہوا۔

اجتہاد کے دروازے کے بند ہونے کے ناپسندیدہ اثرات اہل تشیع پر بھی مرتب ہوئے۔ ساتویں صدی ہجری کے بعد شیعہ فقہ میں عمیق فکر و نظر پیدا ہو گئی تھی اور بعض شعبوں میں وسیع تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں اس کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس فقہی سسٹم میں بھی چند صدی پہلے کی طرح مسائل کی تشریح کا رجحان اور وقت کے مسائل کا سامنا کرنے سے گریز اور جدید تر و عمیق تر طریقوں کے دریافت کی جانب سے بے رغبتی واضح صورت میں نظر آتی ہے۔

نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ حالیہ صدیوں کے دوران نوجوانوں اور اصطلاحاً روشن فکر مسلمانوں کے طبقے میں مغرب کی طرف میلان، مشرقی و اسلامی روایات کی نفی کا رجحان اور مغربی "ازموں" کی اندھی تقلید کا مرض پیدا ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے یہ مرض بڑھتا جا رہا ہے لیکن خوش نصیبی کا پہلو یہ ہے کہ ان اندھے اور خوابیدہ رجحانات کی تاریکی میں بیداری اور آگاہی کی ایک کرن بھی پھوٹ رہی ہے۔

اس خواب غفلت میں مبتلا کرنے والی گمراہی کی جڑ وہ غلط تصور ہے جو یہ گروہ اصطلاحاً اسلامی ضوابط کے تحکمانہ، ادعائی (DOGMATIC) پہلو کے بارے میں رکھتا ہے۔ گزشتہ صدیوں کے دوران اجتہاد میں جمود نے ان غلط تصورات کو تقویت فراہم کی ہے۔ قوم کے رہنماؤں اور ذمہ دار افراد کا فرض یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے علمی و منطقی انداز میں اس طرح کے رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔

اس صورت حال کے اسباب و عوامل کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں جس بات پر ہمیں پردہ نہیں ڈالنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ فکری جمود اور ٹھہراؤ گزشتہ صدیوں کے دوران عالم

Marfat.com

اسلام پر مسلّط رہا ہے. خصوصاً اسلامی فقہ میں جمود. ماضی کی طرف دیکھنے اور زمانے کی روح کو سمجھنے اور اس کا سامنا کرنے سے گریز ہماری اس ناکامی اور شکست کا ایک بڑا سبب سمجھا جاتا ہے. آج عالمِ اسلام کو ہمیشہ سے زیادہ ایک ایسی قانون سازی کی تحریک کی ضرورت ہے جو ایک جدید، وسیع اور ہمہ گیر نظر سے اسلامی تعلیمات کی گہرائی سے فیض حاصل کرے اور مسلمانوں کے دست و پا کو مغربی افکار و نظریات کے استعماری بندھنوں سے آزاد کرائے.

قرآن بے پایان استعداد و وسعت کے اعتبار سے فطرت کی مانند ہے

فلسفہ کے موضوعات میں سے ایک حیرت انگیز موضوع کا تعلق اسلامی سرچشموں خصوصاً قرآنِ کریم کے مضامین میں تحقیق، دریافت و استنباط کی کبھی ختم نہ ہونے والی استعداد ہے. صرف فقہ اور حقوق کے مسائل ہی نہیں تمام شعبوں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے. ہر انسانی کتاب خواہ وہ ایک بڑا شاہکار ہی کیوں نہ ہو تحقیق و مطالعہ کے لئے اپنے اندر محدود استعداد اور ختم ہو جانے والی وسعت رکھتی ہے اور اس کتاب کے تمام نکات کو واضح کرنے کے لئے چند ماہرین کافی ہو سکتے ہیں لیکن قرآن نے جن پر گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران ہمیشہ سینکڑوں ماہرین تحقیقی کام کرتے رہے ہیں یہ ثابت کر دیا ہے کہ تحقیق و اجتہاد کے نقطہ نظر سے وہ بے پایان استعداد اور وسعت اپنے اندر رکھتا ہے. قرآن اس اعتبار سے فطرت کے مانند ہے کہ جس قدر فکر و نظر وسیع تر اور عمیق تر ہوتی چلتی جاتی ہے قرآن کے مضامین میں تحقیقات و مطالعہ کی پہنائی اور

Marfat.com

زیادہ وسیع ہوتی چلتی جاتی ہے اور نئے سے نئے راز سامنے آتے چلے جاتے ہیں. مبداء و معاد، حقوق، فقہ، اخلاق، تاریخی قصص اور طبیعات سے متعلق جن مسائل کا ذکر قرآن میں آیا ہے اگر ان کا دقیق مطالعہ کرنے کے بعد چودہ صدیوں کے دوران ابھرنے والے اور پرانے ہو جانے والے نظریات کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حقیقت پوری طرح روشن ہو جائے گی.

فکر و نظر خواہ کتنی ہی ترقی کر جائے اور وسیع تر و عمیق تر ہو جائے وہ خود کو قرآن کے ساتھ ہم آہنگ پائے گی. حقیقت یہ ہے کہ آسمانی کتاب کو جو ایک باقی رہنے والا معجزہ ہے ایسا ہی ہونا چاہیئے.

قرآن کے نزدیک سب سے بڑا دشمن جمود اور ایک خاص زمانے اور متعین مرحلے کی دانش پر انحصار کرنا ہے جیسا کہ علومِ فطرت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ ہمارے علماء یہ سمجھتے تھے کہ فطرت کا علم وہی ہے جو ماضی میں ارسطو اور افلاطون وغیرہ جیسے افراد نے ترتیب دیا ہے.

قرآن کے مفاہیم ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے تر و تازہ ہیں

قرآنِ کریم حتیٰ کہ خود رسولِ اکرمؐ کے جامع کلمات اپنے اندر تحقیق و کاوش کی بے پایاں وسعت رکھتے ہیں، اسلئے نظروں کو محدود ہو کر نہیں رہ جانا چاہیئے. اوّل روز سے اسلام کے عظیم رہبرؐ کی توجہ اس جانب رہی ہے اور آپؐ سے اپنے اصحاب کے گوش گزار کرتے رہے ہیں. رسولِ اکرمؐ نے بار بار اپنے کلمات میں اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ

Marfat.com

قرآن کو ایک خاص زمانے کی دانش وبینش کے ساتھ محدود نہ کرو۔ آپؑ نے فرمایا:

"قرآن کا ظاہر خوبصورت اور اس کا باطن عمیق ہے جس کی ایک حد و نہایت ہے پھر اس کے اوپر ایک اور حد و نہایت ہے اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے اور اس کی تازگیوں پر کبھی پژمردگی طاری نہیں ہوگی۔"[1]

امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا:

یہ کیا راز ہے کہ قرآن کو لوگوں کے درمیان جس قدر پھیلایا جاتا ہے اور اسے پڑھا جاتا ہے اور اسکے بارے میں بحث وفکر کی جاتی ہے اسی قدر اس کی طراوت وتازگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے؟

امامؑ نے جواب دیا

"ایسا اس لئے ہے کہ قرآن کو ایک خاص عہد و زمان کیلئے اور کسی خاص قوم کیلئے نازل نہیں کیا گیا ہے قرآن تمام زمانوں کیلئے اور تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اس اعتبار سے وہ ہر زمانے میں جدید ہے اور تمام لوگوں کیلئے ہر وقت تازہ ہے۔"[2]

۱۔ ظاہرہ انیق وباطنہ عمیق لہ تخوم وعلی تخومہ تخوم لا تحصی عجائبہ ولا تبلی غرائبہ (اصول کافی، ج ۲، ص ۵۹۹)۔

۲۔ ما بال القرآن لا یزید بالنشر والدراسۃ الا غضاضۃ؟ قال (ع)، لانہ لم ینزل لزمان دون زمان ولا لناس دون ناس ولذالک ففی کل زمان جدید وعند کل ناس غض۔ (عیون اخبار الرضا، چاپ سنگی، ص ۲۳۹)۔

Marfat.com

رسولِ اکرمؐ جب اپنی احادیث کو ٹھیک ٹھیک یاد کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی تاکید فرماتے تھے تو اس میں یہ خاص نکتہ پوشیدہ تھا کہ شاید جس شخص نے آپؐ سے براہِ راست آپ کی احادیث کو سنا ہو تفقہ سے بہرہ مند نہ ہو اور وہ کسی صاحب دانش و بینش تک انہیں منتقل کرنے کے لئے محض ایک رابطے کا کام دے یا پھر جو شخص آپ سے احادیث سنے وہ تفقہ سے بہرہ مند ہو لیکن اس کے ذریعہ جس شخص تک آپ کی کوئی حدیث پہنچے وہ حدیث پہنچانے والے سے زیادہ تفقہ کا مالک۔[1]

تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بعد کے زمانوں میں آنحضورؐ کی احادیث مفاہیم و مطالب کے سمجھنے میں پہلے سے زیادہ تفقہ سے کام لینے کی ضرورت پیش آئی۔

اجتہاد کی اضافیت

ترقی و تکمیل کی طرف مسلسل بڑھنے والی دانش و بینش کا اثر کسی جگہ اس قدر محسوس نہیں کیا جا سکتا جس قدر کہ فقہی مسائل میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔ فقہ اسلامی پر کئی دور گزر چکے ہیں ہر دور میں ایک خاص طرزِ فکر اور ایک خاص دانش حکم فرما رہی ہے۔ آج کے استنباط کے قواعد اور اصول ہزار سال اور سات سو سال پہلے کے قواعد و اصول سے مختلف ہیں۔ ایک ہزار سال پہلے کے علماء جیسے شیخ طوسی یقیناً ایک ممتاز مجتہد رہے ہیں اور لوگوں نے ان کی جو پیروی و تقلید کی ہے وہ صحیح ہے قدیم

۱۔ نضر اللہ عبداً سمع مقالتی فوعاها وبلغها من لم یسمعها، فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ہو افقہ منہ۔ (اصولِ کافی، ج ۱، ص ۴۰۳)

Marfat.com

علماء کا طرزِ فکر ان کی ایسی کتابوں سے واضح ہے جو فقہ خصوصاً اصولِ فقہ پر لکھی گئی ہیں.
شیخ طوسیؒ کی اصولِ فقہ پر بعض کتابیں ان کے طرزِ تفکر کو بخوبی ظاہر کرتی ہیں، یہ کتابیں آج بھی موجود ہیں.

حالیہ ادوار کے فقہاء پر نظر ڈالیں تو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سابق طرزِ تفکر منسوخ ہو گیا ہے. اس لئے کہ جدید تر، عمیق تر اور وسیع تر دانش نے پرانے طرزِ فکر کی جگہ حاصل کر لی ہے. جیسا کہ موجودہ دَور میں سماج، نفسیات اور قانون کے شعبوں میں علم و دانش نے فقہی مسائل میں زیادہ گہرائی کے امکانات پیدا کر دیئے ہیں.

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ کیا اس سابق عہد کے علماء اپنے اس وقت کے تفقہ اور طرزِ فکر کے ساتھ مجتہد کے مقام پر فائز رہے ہیں؟ اور کیا وہ اس بات کے مستحق تھے کہ عوام ان کی تقلید کرتے اور ان کے تفقہ کو اسلامی ضوابط کی تشخیص و تدوین کا اہل قرار دیتے؟ ان سوالات کا جواب اثبات میں دیا جائے گا.

پھر اگر یہ سوال کیا گیا کہ موجودہ دَور میں اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ چوتھی اور پانچویں صدی کے بعد کی تمام کتابیں اور تالیفات اور آثار کو جوں کا توں قبول کرلے اور خود کو پانچویں صدی میں فرض کرے اور شیخ طوسی جیسے علماء نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا تھا ان ہی کا وہ بھی مطالعہ کرے اور وہی طرزِ تفکر اور وہی تفقہ اپنے اندر پیدا کرے جو ان علماء نے اپنے اندر پیدا کیا تھا تو کیا وہ مجتہد کہلا سکے گا. اور لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کی تقلید کریں؟ اس کا جواب نفی میں دیا جائے گا. آخر ایسا کیوں؟ اس شخص کے درمیان اور پانچویں صدی کے لوگوں کے درمیان کیا فرق ہے؟

فرق یہ ہے کہ ان علماء نے جس دَور میں زندگی بسر کی تھی اس کی دانش و بینش

Marfat.com

اسی دَور کے لئے تھی۔ یہ شخص ایسے عہد میں زندگی بسر کر رہا ہے جس میں ماضی کے اس طرزِ تفکر اور تفقہ کی جگہ ایک جدید تر طرزِ تفکر اور تفقہ نے لے لی ہے اور ماضی کا وہ طرز تفکر اب منسوخ ہو چکا ہے۔

اس سے یہ بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ اجتہاد ایک اضافی اور تکاملی مفہوم رکھتا ہے اور ہر دَور ایک مخصوص دانش و بینش پیدا کرتا ہے۔ یہ اضافیت دو چیزوں سے ختم ہو جاتی ہے۔ کشف و تحقیق کے لئے اسلامی سرچشموں کی بے پایاں وسعت و صلاحیت اور دوسرے انسانی افکار اور علومِ طبیعی کی تکمیل خاتمیت کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

Marfat.com

فہرست

آغاز

آسمانی دروازے ، ۳۰

تبلیغی نبوّت ، ۳۵

جبر تاریخ ، ۴۶

انسانی ضروریات ، ۴۹

ضروریات کی پہلی قسم ، ۵۰

ثانوی ضروریات ، ۵۰

ضروریات کی دوسری قسم ، ۵۱

زمانے کے تقاضے ، ۵۳

حرکت و لچک ، ۵۶

۱۔ حریم دین میں عقل کو جگہ دینا ، ۵۷

۲۔ جامعیت اور خود قرآن کی تعبیر کے مطابق وسطیت ، ۵۸

Marfat.com

۳۔ اسلام نے کبھی زندگی کی ظاہری شکل وصورت سے بحث نہیں کی، ۵۹

۴۔ اس دین کی خاتمیت اور ابدیت، ۵۹

۵۔ اسلامی تعلیمات کی فطرت وطبیعت کے ساتھ ہم آہنگی، ۶۲

۶۔ اسلامی قوانین کو لچکدار بنانے والے قواعد کا وجود، ۶۴

۷۔ اسلام کا اسلامی حکومت کو بعض مخصوص اختیارات دینا، ۶۵

ذمہ داری کی منتقلی، ۶۶

علمائے اسلام کی ذمہ داری، ۶۶

اجتہاد، ۶۸

قرآن بے پایاں استعداد و وسعت کے اعتبار سے فطرت کی مانند ہے، ۷۲

قرآن کے مفاہیم ہر زمانہ کے لوگوں کیلئے تر و تازہ ہیں، ۷۳

اجتہاد کی اضافیت، ۷۵

Marfat.com

شهید مرتضی مطهری

ختمِ نبوّت

Marfat.com